کیفیت تشریف آوری

ہز ہائنس نواب صاحبہ بھوپال و علیا حضرت بیگم صاحبہ چانسلر

بتاریخ ۱۴ و ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء

بموقع افتتاح نصر اللہ خاں ہوسٹل و سنگ بنیاد سائنس کالج و

کانووکیشن پنجم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حسب فرمائش وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیفیت تشریف آوری

علیا حضرت بیگم صاحبہ و ہزہائنس نواب صاحب بھوپال

"چھوٹے میاں"

اب سے پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے کہ "چھوٹے میاں" علی گڑھ کالج کی میٹرکولیشن کلاس میں آکر داخل ہوئے۔ اس زمانہ کے آنریری سکرٹری نواب وقار الملک بہادر مرحوم نے اُن کے داخلہ کا بذات خود اہتمام کیا۔ اُن کے لئے خاص کوٹھی کا بندوبست کیا، اس کوٹھی کو ان کی ضروریات کے مطابق درست و آراستہ کیا۔ معلّمین کو تعلیم کے متعلق خاص طور پر ہدایات جاری فرمائیں، ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی براہِ راست اپنے ذمہ لی۔ ٹرسٹیوں نے خوشیاں منائیں، اخبارات میں اس کی خوب شہرت ہوئی۔ کالیجیٹ اسکول میں داخل ہو کر "چھوٹے میاں" نے اسی طرح پڑھا جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ کلاس روم میں وہ ایک مستعد طالب علم تھے کھیل کے میدان میں وہ سب سے آگے رہتے تھے۔ اخلاق کے لحاظ سے وہ استادوں کو شاگردِ رشید اور ساتھیوں کے بے تکلف دوست تھے۔ غرض کہ ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی	می تافت ستارۂ بلندی

میٹرک کے بعد "چھوٹے میاں" نے انٹرمیڈیٹ اور اس کے بعد بی اے کی ڈگری لی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "چھوٹے میاں" کی نہ صرف طالب علمانہ زندگی بلکہ حیات عامہ بھی ہماری قوم کے ہر "چھوٹے" اور "بڑے" فرد کے لئے مایۂ عبرت و بصیرت ہیں۔ فیالیت قومی یعلمون !!

"پرنس حمید اللہ خاں"

یہ "چھوٹے میاں" کون تھے ؟ یہ تھے علیا حضرت سرکار عالیہ مادر قوم حضور بیگم صاحبہ بھوپال دام ظلہا کے فرزند اصغر جو علی گڑھ میں "پرنس حمید اللہ خاں" (اور اکثر صرف "پرنس") کے پیارے اور دل آویز نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ اور اب خدا کی ناقابل فہم قدرت اور لامتناہی فضل سے "ہز ہائنس نواب محمد حمید اللہ خاں بہادر فرماں روائے دارالاقبال بھوپال" ہیں۔ "ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین"

علی گڑھ کے انتخاب کا نکتہ

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ہز ہائی نس کی تعلیم علی گڑھ سے باہر بھی (دنیا کے کسی حصہ میں اور خود مستقر حکومت میں) بہتر سے بہتر ہو سکتی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہز ہائی نس کی تعلیم و تربیت کے لئے علیا حضرت مدظلہا کی دوربین نگاہ کا علی گڑھ کالج کو انتخاب کرنا اس امر کی دلیل تھا کہ آپ حقیقی جہاں بانی کے مبادی و اصول سے کس درجہ آگاہ اور مساوات انسانی کی کس حد تک معترف ہیں۔ خالق اکبر نے ہز ہائی نس کو درجہ کی اس بلندی پر رکھا ہے جہاں سے بہت سی ہستیاں نظر میں حقیر اور اکثر نظر سے یک سر غائب ہو جاتی ہیں۔ لیکن در اصل یہی وہ ہستیاں ہیں جو بالانشینوں کی نگاہ لطف و کرم کی سب سے زیادہ مستحق ہوتی ہیں۔ اور علیا حضرت نے (شاید القاء ربانی سے مشرف ہو کر) ہز ہائی نس کی تعلیم و تربیت اس اسلوب پر کرائی کہ اب کہ قدرت نے حضور ممدوح کو اپنے

فضل وکرم سے نوع انسان کا مالک رقاب بنایا تو آپ اس قابل ہیں کہ پست سے پست انسانی طبقہ کی ضروریات سے واقف اور ان کے پورا کرنے پر قادر رہیں۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۰

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بیش از بیش التفات

علاوہ بریں اگرچہ علیا حضرت کی نظر التفات علی گڑھ اور تعلیم مسلمانان کی طرف پہلے بھی تھی، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اپنے فرزند دلبند کے مادر کالج کی آغوشِ تربیت میں دینے کے بعد سے کالج اور یونیورسٹی اور ان کے مختلف شعبے اور اس کے طلبہ جس طرح مورد عنایت خسروانہ رہے ہیں وہ علی گڑھ کی موجودہ تاریخ کا زریں باب ہے۔ اور کرم بالائے کرم یہ ہے کہ سرکار عالیہ نے باین سن و سال یونیورسٹی کا چانسلر ہونا منظور اور اپنے علائق و افکار کے باوجود چانسلر رہنا گوارا فرمایا۔ وان اجری الا علی اللہ ۰

اجرش دہد خدائے کہ گردہ است یاوری
باآں کساں کہ ناصر و یاور نداشتند

جذباتِ تشکّر

یہی وجہ تھی کہ جب علیا حضرت اور ہز ہائی نس فائز المرام ولایت سے مراجعت فرما ہوئے تو مسلم یونیورسٹی کی طرف سے بمبئی ہی میں حضور کا استقبال ہوا اور اس کے بعد یونیورسٹی اور اس کے مختلف شعبوں کی جانب سے بھوپال میں حاضر ہو کر خیر مقدم کے ایڈریس پیش ہوئے۔ اور نہ صرف علی گڑھ کی بلکہ کل قوم کی نظریں بے تابانہ اس ساعت سعید پر لگ گئیں۔

کہ ہز ہائی نس بحیثیت ایک فرماں رواکے اپنی مادرِ علمی کی "زیارت" فرمائیں۔

درخواست تشریف آوری

اسی خیال سے اگست گزشتہ میں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے ہز ہائی نس سے درخواست کی کہ جناب ممدوح مسلم یونیورسٹی میں تشریف لائیں اور سائنس کالج کا سنگ بنیاد نصب فرمائیں جس کو ہز ہائی نس نے ازراہ الطاف مربیانہ منظور فرمایا۔ مع ہذا یہ بھی مناسب سمجھا گیا کہ یونیورسٹی کا سالانہ کانووکیشن بھی اس موقع پر ہو۔ چنانچہ ضروری اہتمام و تفہیم کے بعد تاریخ کا تعین و اعلان ہو گیا۔

علیاحضرت چانسلر صاحبہ مسلم یونیورسٹی نے ازراہ سرپرستی قدردانہ بھوپال کے میر سامان صاحب کو مع ضروری عملہ اور ضروری سامان کے پیشتر سے علی گڑھ میں متعین فرما دیا تھا۔ اور پنڈال اور کیمپ اسی میدان میں نصب کئے گئے جس میں جوبلی کا جلسہ ہوا تھا۔

باہر سے بہت سے مسلمانوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ چنانچہ جو اصحاب تشریف لائے ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

آنریبل نواب صاحب بہادر چھتاری، مسٹر سید سلطان احمد، مسٹر ایس آر داس، مسٹر بی مترا، سر فلپ ہرٹوگ، مسٹر میکنزی، مسٹر نیول، سر اسرار حسن خاں، راجہ اودھ نرائن، شیخ متین الزماں صاحب، مسٹر جے ایچ ڈارون، مسٹر فرگوسن، مسٹر احسان الحق، مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور۔

ساعتِ سعید

غرض وہ مبارک وقت آیا جس کا ہفتوں اور مہینوں پہلے سے انتظار تھا اور ۱۴ر نومبر کو دن کے ساڑھے نو بجے ہز ہائنس حضور بیگم صاحبہ اور ہز ہائنس نواب صاحب علی گڑھ میں

رونق افروز ہوئے۔ اسٹیشن پر نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب وائس چانسلر، مسٹر شیخ عبداللہ ٹریژرر، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب پرو وائس چانسلر، مسٹر ڈکنسن پرووسٹ، مسٹر عبدالمجید قریشی پرنسپل، سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار، مسٹر بی ایچ زیدی ہیڈ ماسٹر اور ممبران کورٹ استقبال کے لئے موجود تھے۔

اب سے تقریباً بیس سال قبل مولانا حالی مرحوم نے اپنے ایک قصیدہ میں کالج کی نسبت فرمایا تھا کہ ؎

عاقبت مقبولی کالج بدیں غایت رسید
تربیت گاہ غریباں شد گزرگاہ شہاں"

لیکن اگر مولانا کو یہ شعر اس وقت لکھنا پڑتا جب کہ "پرنس" اور "علی گڑھ کالج" کے باہم تعلقات قائم ہو چکے تھے تو یقیناً وہ یہ (یا اسی قبیل سے کچھ اور) فرماتے ؎

عاقبت مقبولی کالج بدیں غایت رسید
تربیت گاہ شہاں خود شد گزرگاہ شہاں

نزول اجلال

جس وقت ہز ہائنس کا نزول ہوا ۲۱ ضرب کی سلامی سر ہوئی۔ وائس چانسلر صاحب نے حاضرین کا تعارف ہز ہائنس سے کرایا جس کے بعد ہز ہائنس نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر کی معیت میں براہ ڈگی روڈ مزمل منزل تشریف لے گئیں، اور ہز ہائنس چوکڑی میں سوار ہو کر معیت وائس چانسلر صاحب براہ کچہری روڈ روانہ ہوئے۔ کالج کے طلبہ کا راؤنڈ ٹنگ اسکواڈ جلو میں تھا۔ ہز ہائنس کی سواری یونیورسٹی کی حدود میں ظہور گیٹ سے داخل ہوئی اور وکٹوریا گیٹ کے سامنے ہو کر فیض گیٹ سے نکلتی ہوئی مزمل منزل پہونچی۔ فیض گیٹ سے مزمل منزل تک دو رویہ یونیورسٹی کے طلبہ کی صف تھی۔

گلہائے عقیدت و مودت

اور وہ برابر ہز ہائنس پر پھول نثار کرتے جاتے تھے جو یقیناً عرفی و رسمی گل فشانی سے گزر کر خالصاً "برادرانہ" الفت و مودّت کا تحفہ تھے اور عجب نہیں کہ ہز ہائنس کو اپنا وہ زمانہ یاد آیا ہو جب اسی سرزمین پر آپ بھی اپنی سادہ طالب علمانہ وضع میں دوسروں کے ریسپشن میں شریک ہوا کرتے تھے۔ یا آج خدا نے وہ وقت دکھایا کہ خود ہز ہائنس کا ریسپشن اس نوعیت پر ہوا جو کالج کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے

این کہ دیدی نتائج سحر ست

کار کلی ہنوز در قدرست

آفتاب منزل میں بریکفسٹ

تھوڑی دیر مزمل منزل پر استراحت فرما کر دیر ہائنسز ۱۱ بجے آفتاب منزل بریکفسٹ کے لئے تشریف لے گئے۔ ہر ہائنس زنانہ میں رونق افروز ہوئیں اور ہز ہائنس مردانہ میں جلوہ فرما رہے۔ بریکفسٹ پر مع ہز ہائنس کے اسٹاف کے ۳۶ مہمان تھے۔ بریکفسٹ کے بعد ڈیر ہائنسز مزمل منزل کو واپس تشریف لے گئے۔

دعائے خیر

نماز ظہر کے بعد دیر ہائنسز کے لئے یونیورسٹی کی جامع مسجد میں دعا کی گئی۔

سائنس کالج کا سنگ بنیاد

ڈھائی بجے ہز ہائنس بمعیت نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب وائس چانسلر صاحب

وہم کابی یونیورسٹی رائڈنگ اسکواڈ اس مقام کے لئے روانہ ہوئے جہاں سائنس کالج کا سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا۔ پنڈال کے دروازہ پر پرو وائس چانسلر صاحب اور جملہ ممبران سائنس ڈپارٹمنٹ نے ہز ہائنس کا استقبال کیا اور ہز ہائنس کے تشریف فرما ہونے تک جملہ حاضرین سروقد کھڑے رہے۔

یونیورسٹی کے ناظم صاحب دینیات نے کلام مجید کی تلاوت کی جس کے بعد آنریبل نواب احمد سعید خاں بہادر نے ایڈریس پڑھے جانے کی اجازت چاہی جس کے حاصل ہونے پر پرو وائس چانسلر نے ایڈریس پڑھا جو انگریزی حصہ کے صفحہ پنجم پر درج ہے۔

ہز ہائنس نے موزوں الفاظ میں ایڈریس کا جواب ارشاد فرمایا اور اس میں دو لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان فرمایا جس کو سن کر حاضرین نے پرجوش نعرہائے مسرت بلند کئے۔

(جواب ایڈریس ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴ انگریزی پر)

نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب بہادر نے ہز ہائنس کا شکریہ ادا فرمایا۔ اس کے بعد ہز ہائنس نے اسکول کی جدید عمارت اور منٹو سرکل کا معائنہ فرمایا۔

افتتاح نصر اللہ خاں ہوسٹل

پونے چار بجے نصر اللہ خاں ہوسٹل کی رسم افتتاح عمل میں آئی نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر اور وائس چانسلر صاحب نے حاضر ہوکر ہز ہائنس سے تشریف بری کی درخواست کی اور ہز ہائنس ان ہر دو صاحبوں و ریاست بھوپال کے فنانس منسٹر راجہ اودھ نراین صاحب کی معیت میں ہوسٹل کی نو تعمیر عمارت میں تشریف لائیں جہاں پرنسپل قریشی، ہوسٹل کے ہاؤس وارڈنوں اور مسٹر عبد الغنی پرنسپل ٹریننگ کالج نے استقبال کیا۔ ناظم صاحب دینیات نے کلام پاک کی تلاوت فرمائی۔ خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب نے ایڈریس پڑھے جانے کی اجازت طلب کی اور وائس چانسلر صاحب نے ایڈریس پڑھا (جو ذیل میں درج ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڈریس

بحضور فیض گنجور عُلیا حضرت سکندر صولت رفیع الشان ذو المجد والاحسان نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ جی سی ایس آئی جی سی آئی ای جی بی ای سی آئی چانسلر مسلم یونیورسٹی

سرکار عالیہ! مسلم یونیورسٹی کے عہدہ داران کارکن اپنی خوش نصیبی اور یونیورسٹی کی اس منزلت افزائی پر جس قدر فخر و ناز کریں زیبا ہے کہ ان کو اس مبارک موقعہ پر حضور عالیہ دام اقبالہا کے خیر مقدم کی عزت حاصل ہوئی۔ سرکار عالیہ کی تشریف آوری مسلمانوں کی اس مرکزی درس گاہ کے لئے ہمیشہ خیر و برکت اور ازدیاد قدر و منزلت کا باعث ہوتی ہے اور جب جب سرکار نے ازراہ ذرہ نوازی اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف و سربلند فرمایا ہے تو علاوہ اُس وقار و امتیاز کے جو یونیورسٹی کو حاصل ہوا اس تشریف آوری کی بدولت یونیورسٹی کی کوئی نہ کوئی اہم ضرورت بھی پوری ہوئی ہے پس ایسے بلند اقبال خوش طالع و مبارک مہمان کی آمد پر جس قدر بھی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جائے وہ کم ہے۔

اس سرزمین میں پہلے سے عُلیا حضرت کے عہد زریں کی بہت سی یادگاریں موجود ہیں جن میں سے بعض ایسی ہیں جنھوں نے مادی وظاہری طور پر بھی ہمارے کاروبار اور حلقہ عمل میں وسعت و اہمیت پیدا کی ہے، مثلاً سلطان جہاں منزل جیسی شاندار اور نظر فریب عمارت جس کے در و دیوار زبان حال سے اپنے فیاض و بلند نظر بانی کی داستان جود و کرم کو نہایت بلند آہنگی سے بیان کر رہے ہیں۔ سرکار کی یہی شاہانہ فیاضیاں اور گہر پاشیاں ہیں جنھوں نے ہمارے دلوں کو

منت پذیری اور شکر گزاری کے لازوال جذبات سے معمور کر دیا ہے، اور آج علی گڑھ کا ذرّہ ذرّہ اُن شاندار یادگاروں کی وجہ سے ذاتِ شاہانہ کو پہچانتا ہے۔

حضور عالیہ! مسلم یونیورسٹی پر سرکار عالیہ کی جو شاہانہ نوازشیں ہیں وہ مالی اعانت کے علاوہ اور صورتوں میں بھی ظاہر ہوتی رہی ہیں اور اب انھوں نے ایک تاریخی عظمت حاصل کر لی ہے جو یونیورسٹی کی روایات میں ہمیشہ باقی رہیگی لیکن ان نوازشہائے بے پایاں سے بڑھکر ہمارے لئے سب سے زیادہ قیمتی وہ شاہانہ اعتماد ہے جو سرکار عالیہ کو اس دارالعلوم پر اس زمانہ سے ہے جب کہ ابھی وہ مسلم یونیورسٹی کے قالب میں تبدیل نہیں ہوا تھا۔ یہ اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ علیاحضرت نے اپنے فرزند اصغر یعنی شاہزادہ بلند اختر ہز ہائنس نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر بالقابہ کو اس کالج میں داخل فرما کر ہم کو سربلند و ممتاز فرمایا۔ جو کالج کے لئے نہ صرف جدید ترقی و شہرت کا باعث ہوا، بلکہ ہمیشہ کے لئے ذریعہ فلاح و ترقی ہوگا۔

حضور عالیہ کی پہلی تشریف آوری ایسی ساعت سعید میں ہوئی تھی کہ اس کے بعد سے علی گڑھ کالج مسلسل نوازشہائے خسروانہ کا مورد و مظہر رہا۔ چنانچہ یہ کیسی خوش نصیبی ہے کہ جب کالج یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل ہوا تو اس کی چانسلری کی مسند کو حضور عالیہ نے زینت بخشی۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

درحقیقت یہ سر سید علیہ الرحمۃ کے اخلاص اور حسن نیت کا ثمرہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی بلند ہمتی سے عالم یاس و بیچارگی میں اس ویرانہ میں خس پوش اور خام مکانات کی جو بنیادیں رکھی تھیں وہ اب پختہ و شاندار ایوان و قصور کی صورت میں نظر آتی ہیں، اور اس مرحوم نے قوم کے بچّوں کے لیے جو تربیت گاہ بنائی تھی آج بحیثیت چانسلر اس کی عنانِ انتظام علیاحضرت کے دستِ مبارک میں ہے اور اب اعلیٰحضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ، مسلمان امراء و والیانِ ملک اور علیا حضرت کی نوازشہائے لاتعداد ہی نے اس سرزمین میں ایسا انقلاب

پیدا کر دیا ہے کہ دور و دراز ممالک کے سیاح اُس کے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

حضور عالیہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ عہدۂ چانسلری کو قبول فرمانے کے بعد سرکار عالیہ کو اور زیادہ اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوا، اور شاہانہ توجہ یونیورسٹی کی ضرورتوں کی طرف پہلے سے زیادہ مبذول ہوگئی چنانچہ جب ہز اکسلینسی **لارڈ ریڈنگ** کی گزشتہ تشریف آوری کے موقعہ پر علیا حضرت نے اپنی رونق افروزی سے ہم کو ممتاز و مشرف فرمایا۔ تو اپنی شاہانہ نوازش سے مصداق منت بالائے منت ایک گراں قدر رقم بھی عطا فرمائی تاکہ علیا حضرت کے فرزند اکبر **نواب سر نصر اللہ خاں بہادر** نور اللہ مرقدہٗ کی یادگار میں ایک ہوسٹل تعمیر کیا جائے جو بطور صدقہ جاریہ نواب صاحب مرحوم کی یادگار میں زمانۂ دراز تک قائم و باقی رہے یہ کیسی صحیح خیرات اور حقیقی نیکی ہے جس کا اجر انشاءاللہ سرکار عالیہ کو بارگاہ ایزدی سے عطا ہوگا۔

علیا حضرت کی اس فیاضی کا ثمرہ اس ہوسٹل کی صورت میں سب کے پیش نظر ہے یہ ظاہر ہے کہ کسی عمارت کے افتتاح کی تقریب عموماً مسرت و شادمانی کی ایک تقریب ہوتی ہے۔ لیکن خاص اس موقعہ پر مرحوم و مغفور فرشتہ سیرت شہزادہ کی یاد نے ہم کو قدرتی طور پر ایک گونہ محزون و مغموم کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں صرف ایک ہی خیال ہے جو ہم کو عالم یاس و حرماں میں تسلی دے رہا ہے وہ یہ کہ شہزادہ مغفور جو ایک نہایت نیک سیرت بندے اللہ عز و جل کے تھے اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر کی رحمت کاملہ کی بدولت بہ نسبت اس عالم کے بہتر حالت میں ہونگے۔

اس جہان سے گزر جانا دوسروں کے لئے تو بے شبہ ایک خوفناک چیز ہے لیکن مسلمان کے یہاں تو وہ اپنے اصلی وطن تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے جس سے گزر کر ایک مسلمان حقیقی راحت و حیات جاوید حاصل کرتا ہے۔ سرکار عالیہ جو اسلام اور **رسول کریم علیہ الصلوٰۃ** والسلام کی سچی پیرو ہیں ہم سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ اس بنا پر ہم کو اطمینان

رکھنا چاہیئے کہ شہزادہ مغفور کو جو اصلی راحت اپنے مالک حقیقی کے جوارِ رحمت میں حاصل ہے وہ اس دنیا کی راحت و آرام سے کہیں زیادہ ہے۔

اعزّہ و اقارب پر چوں کہ اس جہان سے گزرنے والوں کا ایک حق ہے اس لئے اُن کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ اُن رہروان منزل حقیقی کی یاد دنیا میں باقی رکھنے کے لئے اُن کی یادگاریں قائم کریں تاکہ جس طرح اُن کو عالمِ بالا میں حیات جاوید حاصل ہے اسی طرح دنیا میں بھی ان کا نام نیکی و بھلائی سے یاد کیا جائے اور جو لوگ ان یادگاروں سے متمتع ہوں وہ دعائے خیر کرتے رہیں۔ علیا حضرت نے جو امور خیر کا سب سے زیادہ احساس رکھتی ہیں اسی طریقہ پر عمل فرمایا، یعنی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے قیام و آسائش کے لئے ایک دارالاقامہ تیار کرایا جو اس وقت حضور عالیہ کے خیر مقدم کے لئے چشم براہ ہے اور اب ہم سب جو اس درس گاہ قومی کے دلی خادم ہیں نہایت ادب سے علیا حضرت سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے بابرکت اور فیض رساں ہاتھوں سے اس منفعت بخش عمارت کا افتتاح فرماکر ہم سب قومی خدام کو مرہون منت و شکر گزار فرمائیں۔

آخر میں ہم نہایت سچے دل سے خداوند بزرگ و برتر کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ شہنشاہ حقیقی سرکار عالیہ کا سایۂ ہما پایہ زمانہ دراز تک ہمارے سروں پر قائم رکھے، اور تمام خاندان شاہی پر اپنی رحمتِ کاملہ و برکات نازل فرمائے اور علیا حضرت مدت تک مسرت و شادمانی کے ساتھ امور خیر میں مصروف رہیں۔ آمین !!!

ہم ہیں سرکار عالیہ کے فرماں بردار

عہدہ داران و کارکنانِ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ

قاضی مخدوم حسین صاحب نے ہز ہائی نس سے افتتاح کی درخواست کی اور ہز ہائی نس نے اپنے دست مبارک سے چاندی کا تالا کھولا اور اس یادگار عمارت کا افتتاح فرمایا۔ خدا اس نذر کو قبول فرمائے۔ (اس موقع پر یہ منظر بے حد اثر انداز تھا کہ ہز ہائی نس سرکار عالیہ کی تعظیم کے لئے برابر کھڑے ہوئے تھے۔ خوش نصیب ہیں وہ مائیں جن کو ایسی سعید اولاد نصیب ہو اور مبارک ہے وہ اولاد جس کو ماؤں کی خدمت کی سعادت حاصل ہو)۔ اس کے بعد سر ہائی نس نے پنڈال میں واپس تشریف لاکر ایڈریس کا جواب ارشاد فرمایا (جو آئندہ صفحات پر درج ہے)۔

ایوننگ پارٹی

سہ پہر کو یونیورسٹی کے ٹینس لان پر مولوی محمد عبید الرحمٰن خاں صاحب شروانی ایم ایل سی آنریری جوائنٹ سکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن مسلم یونیورسٹی نے نامور و معزز اولڈ بوائے ہز ہائی نس نواب صاحب کے اعزاز میں نہایت شاندار ایوننگ پارٹی دی جس میں جملہ مہمانان و دیگر کثیر التعداد معززین اور ممبران اسٹاف و طلبہ شریک تھے۔

مزمل منزل میں ڈنر

شب کو نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر کی جانب سے مزمل منزل میں ڈنر ہوا جس میں ہز ہائی نس اور مسلمانان حکام و دیگر مقامی معززین اور ممبران یونیورسٹی اسٹاف شریک تھے اور کل شرکا کی تعداد سو سے متجاوز تھی۔

کانووکیشن ڈبیٹ

اسی شب کو رام پور حامد ہال میں مسلم یونیورسٹی کے سنٹرل یونین کلب میں کانووکیشن ڈبیٹ ہوا۔

کھیل، دورہ اور معائنہ

۵ ارنومبر کو علی الصباح نواب صاحب بہادر نے اپنی فرودگاہ (مزمل منزل) سے برآمد ہو کر طلبہ کے ساتھ ٹینس اور کرکٹ کھیلا۔ اور اس کے بعد یونیورسٹی کا ہسپتال اور یونین کلب معائنہ فرمایا۔ یونین کلب میں پرو وائس چانسلر صاحب اور وائس پریسیڈنٹ صاحب یونین نے استقبال کیا پھول برسائے گئے اور نظم پڑھی گئی جس کے جواب میں ہز ہائی نس نے مختصر مگر جچیدہ الفاظ میں طلبہ کی اس برادرانہ محبت پر اظہار مسرت فرمایا اور علی گڑھ کالج میں اپنی تعلیم کے زمانہ کو یاد کیا۔ اس کے بعد آپ نے انگلش ہاؤس کو دیکھا جہاں مسٹر بی ایچ زیدی ہیڈ ماسٹر نے استقبال کیا۔

چھتاری ہاؤس میں بریکفسٹ

انگلش ہاؤس کے معائنہ کے بعد ہز ہائی نس آنریبل نواب صاحب بہادر چھتاری کی کوٹھی پر بریکفسٹ کے لئے تشریف لے گئے جس میں تقریباً پچاس اصحاب شریک تھے۔

مسلم گرلز انٹرمیڈیٹ کالج

اس اثنا میں ہز ہائی نس نے مسلم گرلز انٹرمیڈیٹ کالج کا معائنہ فرمایا۔ جہاں ہز ہائی نس کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جو حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈریس

بحضور فیض گنجور علیا حضرت سکندر صولت رفیع الشان ذوالمجد والاحسان نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ جی سی ایس آئی، جی سی آئی ای، جی بی ای، سی آئی والدہ ماجدہ فرمانروائی بھوپال دارالاقبال

بصد نیاز و عقیدت ہم مسلم خاتونان منتظمین و ممبران مسلم گرلز ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ نہایت فخر سپاسنامہ علیا حضرت کی خدمت گرامی میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ علیا حضرت! یہ موقع ہمارے لئے ہر لحاظ سے قابل خوشی و فخر ہے۔ ہم کو اس سے زیادہ کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ حضور عالیہ جو ہماری حقیقی محسنہ ہیں اور جن کے دل میں فرقہ نسواں کی سچی ہمدردی ہے اُن کی دلی مراد پوری ہوئی اور اُن کے لخت جگر جو اعلیٰ زیورِ تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ ہیں آج اپنی آبائی مملکت خداداد ریاستِ جلیلہ بھوپال پر حکمرانی فرما رہے ہیں۔ قبل اس کے کہ خدا کے فضل و کرم سے اُن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تفویض ہوتی ہماری دعائیں حضور عالیہ کے شامل حال تھیں کہ اُن کو حضور عالیہ کی موجودگی ہی میں اطمینان ہو جائے کہ وہ حضور عالیہ کے جانشین ہوں گے۔ لیکن جب کہ سب مرحلے طے ہو کر خود حضور عالیہ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی مسند نشینی و جانشینی کی مبارک رسم ادا کر دی تو اب ہم حضور ہز ہائی نس جناب نواب صاحب بہادر والا قدر کی کامیابی و نیک شہرت کے لئے دست بدعا ہیں۔ علیا حضرت! علی گڑھ کا بچہ بچہ خواہ مرد ہو یا عورت خوشی سے باغ باغ ہے کہ ہماری درسگاہ کا ایک ہونہار پودا آج پروان چڑھا ہے اور اب مخلوق خدا کے دماغ اس کے

خوشبودار پھولوں کی مہک سے معطر ہوں گے اور بکثرت انسان اُس کے زیر سایہ آرام پائیں گے آج ہز ہائی نس نواب صاحب والا شان کی طرف علی گڑھ کا ہر شخص مخاطب ہو کر زندہ و شاد باش کے نعرے بلند کر رہا ہے۔ علی گڑھ سے نواب صاحب بہادر کے ایسے گہرے تعلقات پیدا کرا دینا یہ قطعاً حضور عالیہ کی خوش تدبیری و دور اندیشی کا نتیجہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ حضور عالیہ کو خدا تعالےٰ بہت دنوں تک نواب صاحب بہادر کی پشت پناہی کے لئے سلامت و برقرار رکھے اور نواب صاحب کو صحت و درازی عمر عطا فرمائے کہ وہ حضور عالیہ کی امیدوں اور اپنی دلی تمناؤں کو پورا کر سکیں۔

حضور عالیہ! علی گڑھ میں ایک بہت بڑی مردانہ درس گاہ مسلمانان ہند کی قائم ہے اور اس کی روز افزوں ترقی و وسعت کو حضور عالیہ نے اپنی چشم مبارک سے خود ملاحظہ فرمایا ہے اور بحیثیت چانسلر یونیورسٹی و سرپرست قوم کے حضور عالیہ نے بعض اہم رسوم کے ادا کرنے میں حصّہ لیا ہے۔ علیا حضرت کے ہم دل سے شکر گزار ہیں کہ آج علیا حضرت نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی ہے۔ ہماری آنکھیں ترستی رہتی ہیں کہ حضور عالیہ اپنی مبارک زندگی کے ایّام میں کبھی کبھی اپنے دیدار سے ہم کو محظوظ فرماتی رہیں کیونکہ ہماری وہ بات جو حضور عالیہ کے ساتھ ہے شاید صدیوں تک بھی ہماری بہنوں کو آئندہ نصیب نہ ہو۔ حضور عالیہ کے خاندان کی جلیل القدر خواتین و شہزادیوں سے البتّہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ حضور کے فیضانِ صحبت کی وجہ سے حضور کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کریں گی۔

حضور عالیہ! ہم فرقہ نسوان کو ایک مظلوم فرقہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ بہت کم مردوں کے دلوں میں ہماری حقیقی بہبودی و خوشی کا احساس پیدا ہوا ہے۔ جہالت و خود غرضی و بے جا شکوک ہماری ترقی کے راستے میں حائل ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ ہماری ترقی کے سد راہ انھیں کے ہاتھ میں ہماری قسمت کی باگ ہے۔ نہ معلوم اُن کے دلوں میں قومی ترقی کا راز کب داخل ہو گا اور وہ کب ہم کو آگے بڑھنے کی اجازت دیں گے۔ کبھی نہ کبھی تو وہ ضرور بیدار ہوں گے لیکن ہم اُن سے اس وقت یہ شکایت کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہلاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک۔

حضور عالیہ! جو درس گاہ اس وقت علیا حضرت کی آنکھوں کے سامنے ہے اور جس کو

حضور چشم مبارک سے ملاحظہ فرما رہی ہیں اس کے جڑ پتے اور شاخیں غرض کہ اس کا ریشہ ریشہ حضور عالیہ کی فیاضی و ہمدردی کا مرہون احسان ہے۔ اوّل روز سے آج کی تاریخ تک حضور عالیہ کی دلچسپی و ہمدردی اس کے شامل حال رہی ہے۔ کل ہندوستان میں یہی ایک مسلمانوں کی درسگاہ ہے جو انٹرمیڈیٹ کالج کے درجہ تک پہنچی ہے اور جو مسلمانوں کے جملہ محسوسات کا لحاظ رکھتے ہوئے قوم کی بچیوں کو زیورِ علم سے آراستہ کر رہی ہے۔ اب اطرافِ ہند سے مسلمانوں کی بچیاں آ کر یہاں تعلیم پانے لگی ہیں۔ ہندوستان کا کوئی حصّہ نہیں جہاں سے چند اچھے خاندانوں کی طالبات نہ آئی ہوں۔ پنجاب و سرحد کے چند معزز و نامی گھرانوں کی لڑکیاں دارالاقامہ میں رہ کر تعلیم پا رہی ہیں اور تعداد میں روز افزوں ترقی ہے۔

حضور عالیہ! ہم نے گزشتہ سات سال کے عرصہ میں اس درسگاہ میں صرف تعداد طالبات کے اضافہ میں ہی کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ مڈل سے ہائی اسکول اور ہائی اسکول سے انٹرمیڈیٹ کالج کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اب اس وقت ہمارے پاس ایک بورڈنگ ہاؤس ہے اور ایک مدرسہ اور تین اُستانیوں کے رہنے کی کوٹھیاں ہیں اور بہت بڑے وسیع قطعات زمین کے ہیں اور پختہ سڑکیں وغیرہ سب تیار ہو چکی ہیں۔ اب ہم کو فوری اور اشد ضرورت مزید بورڈنگ ہاؤس کی ہے کیونکہ جس رفتار سے لڑکیاں بیرونجات سے آ کر داخل ہو رہی ہیں اگر وہی رفتار قائم رہی تو آئندہ سال موجودہ بورڈنگ ہاؤس میں مطلق گنجائش باقی نہ رہے گی اور ہماری ترقی رک جائیگی ایک سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کے تعمیر ہو جانے سے آئندہ دس پندرہ سال تک ہم بورڈنگ ہاؤس کی ضرورتوں سے مستغنی ہو جائیں گے۔

حضور عالیہ! اس وقت ہمارا تعلیمی اسٹاف نہایت معقول ہے اور ہم اپنی استانیوں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہماری بچیوں کی تعلیم میں خاص دلچسپی لیتی ہیں۔ مس کارلٹن صاحبہ ایڈنبرا یونیورسٹی کی ایم اے ہیں اور نہایت محنت سے خود بھی تعلیم دیتی ہیں اور استانیوں کے کام کی نگرانی بھی کرتی ہیں۔ مسز خان صاحبہ اور مس گارلا صاحبہ دو ہندوستانی گریجویٹ ہیں۔

اور خاتون جہاں عبداللہ ایم اے آنریری طور پر پڑھاتی ہیں کیونکہ ہمارے پاس ایک زائد گریجویٹ کی تنخواہ کے لئے روپیہ نہیں تھا۔ ہمارے مدرسہ کی دو انٹرمیڈیٹ پاس شدہ مسلمان لڑکیاں بھی اس وقت ہمارے اسٹاف میں شامل ہوگئی ہیں۔ اور علاوہ ان کے ایک مس ناٹ صاحبہ انٹرمیڈیٹ ٹرینڈ بھی ہمارے اسٹاف میں ہیں۔ ان کے علاوہ چھ اور اُستانیاں جن میں تین مسلمان ہیں وہ مختلف مضامین میں تعلیم دیتی ہیں۔ سردار بیگم صاحبہ خاص طور پر بچیوں کو قرآن شریف اور دینیات کے رسالے پڑھاتی ہیں اور فارسی پڑھانے کے لئے دو بوڑھے مولوی صاحبان ہیں۔ اس طور پر اس وقت ہمارا اسٹاف ہر طرح سے قابلِ اطمینان ہے۔ اور اب ضرورت اس کی ہے کہ لڑکیوں کے رہنے کے لئے مزید بورڈنگ ہاؤس تعمیر ہو جائے تاکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بچیاں آکر علم حاصل کریں۔ حضور عالیہ ہم کو امید ہے کہ یہ درسگاہ بہت بڑھے گی اور اس کو کسی وقت اس قدر ترقی ہوگی کہ جو لوگ اس وقت ہماری ترقی کے رستہ میں حائل ہیں اگر وہ زندہ رہے تو یہ دیکھ کر اُن کی آنکھیں کھلیں گی کہ ہمت و استقلال اور نیک دل سرپرستوں کی ہمدردی انسانی کاموں کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے۔

ہم نے حضور عالیہ کا بہت ہی قیمتی وقت لیا ہے لیکن دنیا میں ہماری داستان سننے والا اور کون ہے جو ہم حضور عالیہ کے سامنے بھی حالات بیان نہ کریں۔

ہم اب آخر میں اس دعا پر اس ناچیز اڈریس کو ختم کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ عُلیا حضرت کی نسل کو ابد الآباد تک عروج نصیب کرے اور وہ خلق خدا کے لئے منبع فیض و کرم بنے رہیں اور حضور عالیہ کو اپنی مفید زندگی کے ایام تندرستی سے گزارنے کی نعمت عطا کرے۔ آمین

ہم ہیں حضور عالیہ کے نیاز کیش

نومبر ۱۹۲۶ء

ممبران و منتظمین خاتونان مسلم گرلس ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ کالج
علی گڑھ

کانووکیشن

سہ پہر کو دو بجے کے وقت وائس چانسلر صاحب نے ہز ہائی نس کی فرودگاہ پر حاضر ہو کر علیا حضرت سے کانووکیشن میں تشریف بری کی درخواست کی۔ چنانچہ ہز ہائی نس بمعیت وائس چانسلر صاحب روانہ ہوئیں۔ یونیورسٹی طلبہ کا رائڈنگ اسکواڈ جلو میں ہمرکاب تھا۔

خود ہز ہائی نس اور دیگر معززین اور ممبران اسٹاف و طلبہ پہلے سے پنڈال میں پہونچ گئے تھے۔ عہدہ دار بھی بہ ترتیب ذیل جلوس کے ساتھ داخل ہوئے۔

۱ رجسٹرار
۲ پرووسٹ اور پراکٹر
۳ چانسلر
۴ ریکٹرس و ممبران وزٹنگ بورڈ
۵ خاص مہمانان
۶ وائس چانسلر
۷ پرو وائس چانسلر
۸ ٹریژرر
۹ ممبران کورٹ
۱۰ ممبران اکیڈیمک کونسل
۱۱ ممبران اسٹینڈنگ ڈیپارٹمنٹ
۱۲ رجسٹرڈ گریجویٹس

اور جب ہز ہائی نس چانسلر صاحبہ مدظلہا پنڈال میں رونق افروز ہوئیں تو جملہ حاضرین سر و قد تعظیماً کھڑے ہو گئے اور خود ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر نے سرکار عالیہ کا استقبال کیا۔

اور جب تمام حاضرین اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر متمکن ہو لئے تو آغاز کارروائی تلاوت کلامِ پاک سے ہوا۔ اس کے بعد اول پرو وائس چانسلر صاحب نے اپنی رپورٹ پڑھی۔ بعدہٗ ڈگریاں اور تمغے عطا کئے جانے کی رسم ادا ہوئی۔ بعد ازاں مسٹر سید سلطان احمد بیرسٹرایٹ لا وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی نے اپنا نہایت فاضلانہ کانووکیشن ایڈریس پڑھا جو مفید تعلیمی معلومات اور محبانِ تعلیم کے لئے قیمتی مشوروں اور طلبہ کے لئے بیش بہا نصائح سے پُر تھا۔

آخر میں ہر ہائی نس نے بحیثیت چانسلر اپنا ایڈریس قرأت فرمایا جو حسب معمول بہ لحاظ الفاظ و معانی بالاتر از توصیف تھا۔ ہر ہائی نس نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ آویزۂ گوش کئے جانے کے لائق ہے۔ قبل اس کے کہ جلسہ برخاست ہو وائس چانسلر صاحب کی تحریک پر کل جلسہ نے مؤدبانہ استادہ ہو کر ہر ہائی نس کے لئے درگاہ رب العزت میں دعائے فلاحِ دارین کی۔

اس قدر کارروائی کے بعد ہر ہائی نس نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر کی ہمراہی میں اپنی فرودگاہ کو واپس تشریف لے گئیں۔

دعاء و ندائے مقبرۂ سر سید

اور ہر ہائی نس بمعیت وائس چانسلر صاحب سر سید کے مقبرہ پر آئے اور فاتحہ پڑھی۔ اس وقت سر سید کے مقبرہ سے حسب ذیل پُر معنی ندا برآمد ہوئی۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کی اعلیٰ ترین برکات نازل ہوں تم پر اے عزیز اور تمھاری مادرِ مہربان اہل خاندان ریاست اور رعایا پر۔ اس قومی باغ میں جو شجرِ علم میں نے لگایا ہے اس کے تم شیریں ثمر ہو۔ اور جس قصر قومی کی بنا اس سرزمین پر میں نے رکھی ہے اس کے مستحکم ستون ہو۔

دیکھو (کچی بارگ کی طرف اشارہ کرکے):۔

جس طرح یہ کچی بارگ اپنی نامکمل اور خستہ حالت کی فریاد کر رہی ہے اسی طرح اس دار العلوم کا کل نظام

تکمیل کا محتاج ہے۔ اب وقت ہے کہ تم اس کی تکمیل اور ترقی کا بیڑا اٹھاؤ۔ قدرت کا یہ منشاء ہے کہ اس مقصدِ عظیم میں کامیابی کا سہرا تمھاری با اقبال پیشانی پر منوّر و درخشاں ہو۔"

ایٹ ہوم

شام کو عُلیا حضرت چانسلر کی طرف سے فراخر حال پیمانہ پر ایٹ ہوم ہوا۔

پرو وائس چانسلر ڈنر

اور شب کو ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب پرو وائس چانسلر کی کوٹھی پر ڈنر ہوا۔

مراجعت بالخیر

اس کے بعد دیر ہائی نس بذریعہ پنجاب میل علی گڑھ سے مراجعت فرما ہو گئے۔ اور جو اصحاب استقبال میں شریک تھے انھی نے مشایعت کی۔

اور اس طرح خدا کے فضل سے یہ تاریخی تشریف آوری بخیر و خوبی تمام انجام پزیر ہوئی اور خدائے خالق ذوالجلال کی ذات پاک سے قوی توقع ہے کہ دیر ہائی نس کی یہ شاہانہ توجہ مسلم یونیورسٹی اور کل قوم کے لئے بیش از بیش خیر و برکات کا موجب ہوگی۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش ست

تو بدیں آرزو مرا برسال

اٰمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریر علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال

بجواب

ایڈرس اعیان و ارکان مسلم یونیورسٹی

بموقع

افتتاح نواب نصر اللہ خاں ہوسٹل

(بتاریخ ۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۲۶ء)

اعیانِ مسلم یونیورسٹی!

میں اُن اعلیٰ خیالات کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو آپ نے میرے متعلق اپنے ایڈرس میں ظاہر کئے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نے اس دار العلوم کی جو کچھ امداد کی ہے اُس کو

ہمیشہ اپنا فرض تصوّر کیا ہے۔

۱۹۰۹ء میں جبکہ میرے سامنے ہز ہائنس سکندر صولت نواب افتخار الملک محمد حمید اللہ خان بہادر سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ درپیش تھا تو ایک طرف پبلک کالجوں کی کشش نے اور دوسری طرف یورپ کی تعلیم گاہوں کی عزت و وقعت نے مجھکو ایک عرصہ تک غور و خوض میں رکھا لیکن جب میں نے ہز ہائنس نواب سکندر صولت کے رجحان طبع، پبلک اسپرٹ اور قومی ہمدردی کے جوش کو بہ نظر غائر دیکھا تو میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں ان کو ایسے کالج میں داخل کراؤں جہاں ملکی و قومی ہمدردی کے جوہر نشو و نما پا سکتے ہیں۔

حضرات! میں اس وقت اس بات کو تائید غیبی سمجھتی ہوں کہ نواب سکندر صولت نے ایسی درسگاہ میں تعلیم و تربیت پائی اور یہاں وہ نتائج حاصل ہوئے جن کی اس منصب عظمیٰ پر فائز ہونے والے وجود کو ضرورت تھی۔

یہ ایک صاف حقیقت ہے کہ کسی رئیس کو جب تک پبلک سے اُنس اور اپنی قوم اور اپنے ملک کا درد نہ ہو وہ کیونکر اس منصب عظمیٰ کے فرائض ادا کر سکتا ہے اس لیے بلاشبہ اس فیصلہ میں تائید غیبی شامل حال تھی اور جس کی ہم لوگوں کو خبر بھی نہ تھی۔ الحمد للہ کہ اس میں پوری کامیابی ہوئی اور ان کے تمام مراحل زندگی میں وہی جوہر نمایاں ہو رہے ہیں اور آج اس موقع پر خوشی کے ساتھ اس امر کا اظہار بھی کرتی ہوں کہ میری امدادوں میں ہز ہائنس کے مشورہ ہی کا نہیں بلکہ وکالت قومی کا بھی بہت بڑا حصّہ ہے۔

حضرات!

اس کے علاوہ نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں مرحوم اور بہتر نواب محمد نصر اللہ خاں مغفور کو ہماری اس شاندار تعلیم گاہ سے جو خاص دلچسپی پیدا ہو گئی تھی وہ بھی ہز ہائی نس

تو اب بلند حوصلت کا ایک زبردست اخلاقی اثر تھا -

میں ہز اگزالٹڈ ہائی نس نظام الملک اور دوسرے مسلمان والیانِ ملک کی اُن فیاضانہ توجہات کو جو اس دار العلوم پر مبذول ہیں دلچسپی اور شکریہ کے ساتھ دیکھتی ہوں ہمارے ہندو برادران والیانِ ملک اور دیگر اہلِ مذاہب کی امدادیں بھی قابلِ شکر گذاری ہیں - لیکن

حضرات! آج جبکہ مسلمان والیانِ ملک اور امرائے قوم سے آپ کو لاکھوں اور ہزاروں کی امداد ملتی ہے اور آپ کے دل شکر گذاریوں سے معمور ہوتے ہیں تو ابتدائے وقت آغازِ کار کے اُن مخلص غربا کی اکائیوں اور دہائیوں کی جانب بھی خیال کیجئے جو اس شاندار دار العلوم کی خشتِ بنیاد ہیں - میں اُن سب کے خلوص کی دل سے معترف ہوں اور میں اس ارتقائے علمی پر زیادہ تر ایسی عمارتیں دیکھنے کی متمنی ہوں جو جمہور مسلمانان کی اکائیوں اور دہائیوں سے تعمیر ہوں کیوں کہ قومی تعمیر دراصل غریبوں کی ہی مدد سے ہوتی ہے اور اسی سے قوم کی زندگی اور روح کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے اس وقت ہمیں اُن کو فراموش نہیں کرنا چاہیے -

حضرات! میں اس موقع پر ایک خاص امر کی جانب بھی توجہ دلانی چاہتی ہوں اینٹ اور گارے، چونے اور پتھر کی رفیع الشان عمارتیں بلاشبہ جاذبِ نظر ہوتی ہیں لیکن اُن کی حقیقی شان اُس وقت نمایاں ہوتی ہے جب اُن کے کاموں کے شاندار نتائج ظاہر ہوں - دنیا کی کوئی عمارت مسجدِ نبوی کی خام دیوار اور نیچی چھت سے زیادہ شاندار نہیں ہے، یہ وہ مقدس عمارت تھی جہاں سے علم و عمل کے دریا موج زن ہوئے اور اُن سے وہ برقی قوت حاصل ہوئی کہ بحر و بر منور ہو گیا آپ دیکھیے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد اور مثل اس کے بہت سے مدارس کی

عمارتوں کا باوجود اس کے کہ وہ بہت شاندار تھیں کوئی وجود موجود نہیں ہے لیکن اس کی علمی نہریں آج بھی جاری ہیں اگرچہ وہ منبع سے جدا ہو چکی ہیں۔

مجھے عمر کی ستر ویں منزل پر پہنچکر سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ میں اس دارالعلوم کو نہ صرف ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ممتاز دیکھوں بلکہ وہ دنیا کی یونیورسٹیوں میں خاص امتیاز رکھتی ہو۔

حضرات! ہماری قوم نے انتہائی جدوجہد کے بعد یہ یونیورسٹی قایم کی ہے اور اس کو "مسلم یونیورسٹی" کے مبارک نام سے موسوم کیا ہے تو قدرتی طور پر ہم اس دارالعلوم میں "مسلم" کی نسبت سے جو برکت حاصل ہونی چاہیے اُس کے آرزومند ہوتے ہیں۔

اسلام دنیا کے لیے پیام امن و ترقی لے کر آیا اُس نے شرک و کفر اور جہالت وضالت کی تاریکیوں کو دور کر کے توحید کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلائی ہم کو اخلاقی اور روحانی پستی سے نکال کر سعادت و ترقی کی بلندی پر پہنچایا اور سب سے کمزور اور ضعیف صنفِ نسوان کو قعرِ ذلت سے عزت و شان کے مرتبہ پر سرفراز کیا اُس نے دُنیا میں زندگی بسر کرنے اور عزت و ترقی حاصل کرنے کا راستہ دکھایا وہ ہر مرحلہ زندگی میں ہمارے لیے سراج ہدایت ہے جب اس کی تعلیمات ختم ہو گئیں تو خود ربّ اسلام نے اپنے پیغمبر خاتم النبیین کی زبان سے یہ آخری پیغام پہنچایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط۔

خدا نے ہمارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور وہ نعمت اور دین اسلام کی شکل میں ہم کو عطا کی پس اس نسبت سے ہم۔ اس کے طلبا کو ارکانِ اسلام کا پابند اور اسلام کی ترقی میں سرگرم کوشش دیکھنا چاہتے ہیں بلاشبہ یہ ایک رنج دہ حالت ہو گی کہ اس دارالعلوم اسلامی کے مسلمان دنیوی کاروبار میں اس قدر منہمک ہو جائیں کہ نہ تو ان کو اپنے ہادی برحق کی پیروی کا اور نہ ارکانِ اسلام کی پابندی کا خیال رہے۔ حالانکہ رسول مقبولؐ کی تمام زندگی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور ارکانِ اسلام

پر اسلام کی عمارت قایم ہے کہ وہ اس احاطہ کو حقیقی معنوں میں دارالسلام بنائیں، یہاں کے طلبا میں اسلام کا صحیح جذبہ ہو، وہ اخلاق اسلامی سے آراستہ ہوں۔ ان میں ارکان اسلامی کی پابندی کا سب سے بڑا خیال ہو۔ ان کے دلوں میں اسلام کی سچّی عظمت ہو۔ فراخ دلی، روا داری۔ غیر مسلموں کے ساتھ عمدہ تعلقات ان کا طرۂ امتیاز ہو۔ اِن ایوان وقصور تعلیمی کے مکینوں کے اخلاق اس قدر شاندار ہو جائیں جو دنیا میں روشنی کا مینارہ بنیں اور دوسری دنیا کے ایوان وقصور کا استحقاق پیدا کرلیں۔

حضرات!

آپ نے سر سید علیہ الرحمۃ کی سعی وعمل اور سیرۃ اور اُن کے شاندار کام اور اُس کے نتائج کو جس شکر گذاری کے ساتھ بیان کیا ہے۔ میں بھی اس میں آپ کی شریک ہوں لیکن قومی کام کرنے والوں کے لیے ان کی زندگی میں بہترین سبق بھی موجود ہیں جن سے ہم اپنے قومی مقاصد میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور اُن کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ اُنھوں نے اپنے گرد وپیش ایک ایسی جماعت قائم کر لی تھی جس میں مستعدی، بلند ہمّتی، حُسنِ نیت اور اخلاص بھی اپنے قائد اور سردار سے کم نہ تھا۔ وہ ایک ایسی مخلص جماعت تھی جس میں بہت سی صفات قرونِ اولیٰ کی سی تھیں اور جس نے سر سید کے بعد بھی ان کے کام کو نہایت دلسوزی اور جوش وہمّت کے ساتھ جاری رکھا اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے دارالعلوم کی ظاہری شان اور باطنی خوبیوں پر فخر کر سکتے ہیں اور جس کے شاندار ایوان وقصور کھلی ہی نظر میں ہر شخص کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں پس اگر آپ کی پوری جماعت میں وہی اتحاد عمل ہوگا تو آپ اور بھی زیادہ شاندار ایوان وقصور بنالیں گے اور ان میں جو کام ہوں گے اُن کے شاندار نتائج دُنیا کو متحیّر کر دینگے۔

حضرات!

آپ نے میری چانسلری کے متعلق جو کچھ کہا ہے میں شکر گذار ہوں لیکن اس پر بھی نظر کیجیے کہ وہ قوتیں یا وہ اوصاف جس سے سر سید نے ایسا عظیم الشان کام کیا کس نے پیدا کی تھیں؟

وہ اُن کی والدہ ماجدہ تھیں - ان کے رفیق سوانح نگار مولانا حالی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سرسیّد کی تربیت اور ان کے اخلاق و عادات بلکہ ان کے واقعات زندگی میں سرسید کی والدہ کو بڑا دخل ہے - اب اگر آپ اس ابتدا کو اس موجودہ حالت سے ملائیں تو آپ یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہونگے کہ ہماری قوم کی ترقی اور ہماری ہر قسم کی دنیوی و دینی بہبودی صنفِ نازک کے ہاتھوں میں ہے پس آپ کو پوری توجہ صنفِ نازک کی طرف مبذول کرنی چاہیئے -

حضرات! میں اپنی قوم کی اقتصادی حالت سے بخوبی واقف ہوں اور یہ بات بھی جانتی ہوں کہ تعلیمی اخراجات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں اور محض اسی وجہ سے ہماری قوم کے بہت سے بہترین دماغ نشو و نما حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہ ایک ایسا قومی نقصان ہے جو مسلسل طور پر جاری و ساری ہے۔ اس لیے جن لوگوں کو منعم حقیقی نے دولت و ثروت دی ہے اُن کا فرض ہے کہ مختلف شکلوں سے اس نقصان کی تلافی کے لیے فیاضی سے کام لیں۔
اسی خیال کو ملحوظ رکھکر میں نے نواب سر محمد نصر اللہ خاں مرحوم کی یہ یادگار تجویز کی کہ ایک بورڈنگ ہاؤس بنا یا جائے تاکہ جس قدر بھی ممکن ہو غریب طلبا تشنہ کام تعلیم نہ رہیں۔
مجھے یقین ہے کہ خداوند کریم اُس عالم بقا میں اُن کو اس کا ثواب عطا کرے گا۔

اب میں اس بورڈنگ ہاؤس کا افتتاح کرتی ہوں اور میری دُعا ہے کہ خداوند علیم و خبیر ہماری کوششوں کو قبول فرما کر برکت عطا کرے اور ہماری قوم علم و فضل اور اخلاقِ فاضلہ سے ممتاز ہو۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال

بجواب

ایڈرس منتظمین و کارکنان مسلم گرلز انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ

(بتاریخ ۵ ار نومبر سنہ ۱۹۲۶ء)

خواتین !

آپ نے اپنے ایڈرس میں میرے اور ہزہائی نس نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ اور اُن کے تختِ حکومت پر متمکن ہونے کی نسبت جن اعلیٰ خیالات و جذبات کا اظہار کیا، میں اُس کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور خداوندِ جلّ و عُلیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ ان توقعات کو پورا کرے جو آپ نے نہایت محبّت آمیز الفاظ میں ظاہر کی ہیں۔ گرلس کالج کی ترقی اور ضرورتوں کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا ہے اُس سے مجھے خوشی بھی ہے اور افسوس بھی۔ خوشی تو یہ ہے کہ باوجود عام بے توجہی کے ایک چھوٹی سی جماعت تعلیم نسواں کے مقاصد کی

تکمیل میں منہمک ہے اور وہ کامیاب ہو رہی ہے اور افسوس اس بات کا ہے کہ ابھی قوم کا کامل رجحان زنانہ تعلیم کی توسیع و ترقی کی طرف نہیں ہے جس کے باعث بہت سی ضرورتیں رکی ہوئی ہیں اور توسیع تعلیم نسواں کا کام ابتدائی منزل سے بھی آگے نہیں بڑھتا۔ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اب مسلمانوں نے تعلیم نسواں کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ کی ہے اور وہ بے توجہی و بے التفاتی جو ہمارے قومی زوال کے ساتھ ہم میں پیدا ہو گئی تھی بڑی حد تک دور ہوتی جاتی ہے۔ عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں عورتوں اور مردوں کی تعلیم کا آغاز ساتھ ہی ساتھ ہوا تھا کیونکہ آپ دونوں کی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور جب تک کہ یہ دونوں دوش بدوش علم و عمل کے علم بردار رہے عورتوں اور مردوں دونوں کو اس کے سایہ کے نیچے صف بہ صف رہنے کا موقع ملا مگر جس طرح کہ دنیا کی عورتیں مختلف زمانوں میں خواہ وہ تہذیب و تمدن کا زمانہ ہو یا وحشت و بربریت کا، مختلف مظالم کا نشانہ رہیں اسی طرح مسلمانوں میں جب تک کہ بموجب حدیث شریف خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ زمانہ بابرکت رہا، سب خوبیاں موجود رہیں اور جب وہ زمانہ گزر گیا تو

(زمانوں میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں اور پھر وہ جو ان کے بعد ہوں۔)

جہاں اور بہت سی خرابیاں ان میں پیدا ہو گئیں وہاں علم سے بھی توجہ گھٹتی گئی۔ کاہلی اور عیش پرستی بڑھتی گئی۔ تاہم وہ نورِ ایمان جو دلوں میں جلوہ گر تھا اُس کی وجہ سے وہ اور گوناگوں مظالم تو نہ کر سکے جیسا کہ دوسری اقوام نے کئے تھے لیکن عورتوں کو اُن کے علمی مرتبہ سے ضرور گرا دیا گیا اور یہی باعث اس علمی پستی کا ہوا جو اس دور میں نمایاں ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اب ایک جماعت کو اس کا احساس شروع ہو گیا ہے کچھ کچھ اپنی پستی کا راز معلوم ہونے لگا ہے اور عورتوں کی تعلیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔ پہلے جو شدید اختلاف تھا اُس میں کمی ہو رہی ہے لیکن نصاب تعلیم کا مسئلہ ہنوز زیر بحث ہی ہے اکثر حصہ اس خیال کا حامی ہے کہ عورتوں اور مردوں کی تعلیم جدا جدا لائنوں پر کی جائے۔ دوسرا حصہ اس ضرورت کو

تسلیم نہیں کرتا اور وہ یکساں نصاب کو کافی سمجھتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہے کہ عورتوں کی فطری ضروریات اور صنفی خصوصیات کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور سوال بھی زیر بحث رہتا ہے اور وہ مذہبی تعلیم کا سوال ہے اور یہ وہ سوال ہے کہ جس سے کسی کو اختلاف نہیں اور ہر ایک مسلمان مرد اور عورت خواہ وہ اعمال مذہب سے کتنا ہی بیگانہ کیوں نہ ہو اس ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ہماری صنفی تعلیم تین حصّوں میں منقسم ہوگی۔

(۱) عام تعلیم

(۲) صنفی تعلیم

(۳) مذہبی تعلیم

پہلی اور دوسری قسم کی تعلیم تو عام مختلف مدارس میں ہے لیکن تیسری قسم کی تعلیم بغیر مخصوص اور قومی مدارس کے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ ابھی تک کوئی اُمید افزا انتظام مسلمان عورتوں کی تعلیم کا نہیں ہے اور چونکہ خود عورتوں میں حصول تعلیم کا اب ایک عام رجحان ہے اس لئے مجبوراً مسلمان لڑکیاں مخلوط اور مشترکہ مدارس میں داخل ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں ہم کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ ہماری تعلیم یافتہ لڑکیاں اسلامی تعلیم و تربیت کا نمونہ ہوں گی۔ اس لئے میں اس امر پر زور دوں گی کہ اب قوم کے سامنے اپنے تعلیمی نظام کو قائم کرنے کے لئے ایک زبردست احتجاج کیا جائے۔ خدا کے فضل سے ہمارے پاس ایک ممتاز یونیورسٹی موجود ہے جو ایک بڑا ذریعہ ہماری قومی تعلیم کی اشاعت و انتظام کا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو انتظام تعلیم کے متعلق دشواریوں کے مقابلہ میں سہولتیں زیادہ ہیں۔ جب تک کہ ہمارے باقاعدہ مدارس کثرت کے ساتھ جاری ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ ہم ایک ایسا معیار و نصاب تعلیم قوم کے سامنے پیش کر دیں کہ ہماری لڑکیاں پرائیویٹ طور پر اُس سے استفادہ کریں اور جس طرح کہ آج بھی ہماری یونیورسٹی پرائیویٹ طور پر امتحانات لیتی ہے۔ اسی طرح اُس معیار نصاب پر بھی امتحان لے کر سندیں دے۔

میں علمی سند کی اس وجہ سے عزت و وقعت کرتی ہوں کہ وہ قابلیت کے معلوم کرنے کا ایک معیار اور دلوں میں ترغیب و شوق پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہے، ورنہ تعلیم تو ایک دوسری ہی چیز ہے جس کا اثر انسان کی عملی زندگی میں معلوم ہوتا ہے جو بغیر تربیت کے ناقص رہتا ہے اس لئے کتابی تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تربیت کی اشد ضرورت ہے۔

معیار تعلیم کا مقرر کرنا کوئی اہم کام نہیں ہے لیکن محنت طلب کام نصاب کی تیاری ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ اس موقع پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ چند سال ہوئے کہ میں نے پانچ ہزار اور ایک سال ہوا کہ دس ہزار روپیہ یونیورسٹی کو دیا تاکہ کسی طرح بھی نصاب تیار ہو، لیکن آج تک اس کے متعلق کوئی عملی کام نہیں ہوا۔ صرف اوّل مرتبہ چند ریڈریں تیار ہو کر رہ گئیں۔ اب دیکھئے کہ یونیورسٹی کے کارکن کب توجہ کریں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ نصاب میں جو مضامین جداگانہ تیار ہوں گے وہ مذہب، تاریخ اسلام اور اردو ادب تک محدود ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے مرتب کرنے میں چنداں دقت نہ ہوگی۔ لیکن میں اس کی نسبت کچھ صدا ہی نہیں سنتی۔ رہے باقی مضامین، وہ مشترک اور عام ہیں۔ حفظان صحت، خانہ داری اور ہوم نرسنگ وغیرہ کے مختلف مضامین کی کتابیں اوّل تو بہت کچھ موجود ہیں اور پھر اگر ضرورت ہوگی تو آسانی کے ساتھ تیار ہو سکتی ہیں۔

جب اس طرح کا ایک مکمل نصاب ہماری مادری زبان میں ہمارے ہاتھ میں ہوگا تو ہماری تعلیم حیرت انگیز طور پر ترقی کرے گی اور اس نصاب کی تکمیل میں باوصف روپیہ موجود ہونے کے میں نہیں سمجھتی کہ کیوں دشواری ہے۔

مسئلہ تعلیم کے بعد بڑا سوال لڑکیوں کی تربیت کا آجاتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ جو لڑکیاں گھروں پر رہتی ہیں یا اسکول کے گھنٹوں میں مدرسوں میں جاتی ہیں اُن کی تربیت کی تمام تر ذمہ داری والدین اور مربّیوں پر ہے کیوں کہ ان کے دماغ اور خیالات پر وہی اثرات ہوں گے جو گھر کے اندر والدین اور اعزا کے ہوتے ہیں اور مدرسہ کے اثرات ہمیشہ گھر کے

اثرات سے مغلوب رہتے ہیں البتہ بورڈنگ ہاؤسوں میں پوری ذمہ داری منتظمین پر عاید ہو جاتی ہے اور اگر ایک طرف ہماری لڑکیوں کے دلوں میں مذہب کی عظمت جاگزیں ہو دوسری طرف وہ اسلامی اخلاق سے واقف اور صحابیات محترمات اور دیگر مقدس و ممتاز خواتین کے حالات سے باخبر ہوں اور ساتھ ہی ان کے سامنے اسلامی اخلاق اور مذہبی پابندی کی مثالیں ہوں تو یقیناً وہ تربیت اسلامی کی بہترین نمونہ ثابت ہوں گی۔ لیکن عام طور سے اس وقت ایک خاص حالت رونما ہے۔ تعلیم یافتہ لڑکیوں میں آزادی تقلید کے جذبات اس قدر عام ہوتے جاتے ہیں کہ بسا اوقات واقعات سن کر لڑکیوں کی تعلیم سے ایک بیزاری پیدا ہوتی ہے حالانکہ وہ تعلیم کا نتیجہ نہیں بلکہ غلط اور ناقص تربیت کا ثمرہ ہے۔

بہرحال تعلیم کو مفید رکھنے کے لئے عمدہ تربیت کی خواہ وہ گھروں میں ہو یا بورڈنگ ہاؤسوں میں سخت ضرورت ہے۔

بلاشبہ ہر انسان قدرتی طور پر آزاد ہے اور ترقیوں کے لئے تقلید بھی ناگزیر ہے لیکن آزادی صحیح تعریف میں ہونی چاہیئے اور تقلید اسی وقت تک منفعت بخش ہے جب تک کہ خذ ما صفا ودع ما کدر (صاف حصہ لے لو اور گدلا چھوڑ دو) کے اصول پر ہو اگر اس سے تجاوز ہوگا یا ما کدر یعنی خراب باتوں کو اختیار کیا جائے گا تو یقیناً اس میں سمی اثر پیدا ہو جائے گا۔

خواتین! میری عمر ستر سے زیادہ ہے گو میری قابلیت محدود ہو لیکن میرا تجربہ وسیع ہے۔ میں نے بعض ممالکِ اسلامی اور ممالک مغربی کی سیاحت بھی کی ہے اور ہمیشہ عورتوں کے اسباب ترقی اور اسباب تنزل کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ابتدائے عمر میں مذہبی تعلیم پائی ہے اس لئے میں اپنی صنف اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی حالت پر کچھ کہنے کا منصب و استحقاق رکھتی ہوں اور اس لئے آج آزادی اور تقلید پر اپنے خیالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ ظاہر کروں گی

اے مسلمان خواتین!

ہر ایک شخص جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے مجبور ہے کہ وہ احکام اسلام کی پابندی کرے اور

قرآن حکیم میں جو اوامر و نواہی ہیں اُن پر عمل پیرا ہو۔

انسان ضرور آزاد ہے لیکن وہ سوسائٹی یا حکومت یا مذہب کے قوانین سے سرکشی نہیں کرسکتا اور کسی نہ کسی کا متبع رہنا ضرور ہوتا ہے۔ ہم مسلمان کسی طرح بھی مذہب سے بغاوت نہیں کرسکتے اور جب بغاوت کریں گے تو اس دائرہ سے خارج ہوجائیں گے اور من تشبہ بقوماً فھو منھم کے احاطہ میں آجائیں گے۔ (جس نے کسی قوم سے مشابہت پیدا کی تو وہ انھیں سے ہوگیا۔) اس لئے میں جو کچھ کہوں گی وہ احکام اسلامی کے ماتحت ہوگا۔

تعلیم یافتہ خواتین میں فیشن اور سوسائٹی کے متعلق غیر قوموں کی تقلید کا جو رجحان روز افزوں ہے یا دوسرے معنوں میں اسی تقلید کو آزادی تصور کرلیا گیا ہے وہ یقیناً خطرناک اور تاریک مستقبل کی علامت ہے۔

اس تقلید و آزادی کی بنیاد عورت اور مرد کی آزادانہ اور مخلوط سوسائٹی اور سب سے زیادہ احکام مذہب سے بیگانگی ہے اور اسی سبب سے ان میں زیادہ سے زیادہ آزادی کی طرف میلان بڑھتا جاتا ہے اور نمود و نمائش کی زندگی زیادہ پسند ہونے لگی ہے حالانکہ دوسرے ممالک میں جو حد سے متجاوز آزادی عورتوں میں پیدا ہوگئی ہے اُس کی بنیاد کچھ علم و معقولیت پر نہیں ہے جو ہمارے لئے قابل تقلید ہو۔ یہ خیال بھی قطعی غلط ہے کہ متمدن ممالک کے ہر فعل اور رسم و رواج کی تقلید معیارِ تہذیب ہے۔ یہ تو ایک قسم کی نقالی ہے اور نقالی کسی قوم کو مہذب نہیں بنا سکتی۔

بلاشبہ اس وقت مغربی ممالک میں تو علی العموم اور کہیں کہیں اسلامی ممالک میں بھی صنفِ ضعیفہ ترقی کی شاہراہ پر نہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور ہر مرحلۂ زندگی میں وہ مردوں کے دوش بدوش ہے اور جنگِ عظیمہ کے بعد تو ترقی کی یہ رفتار اس قدر تیز ہوگئی ہے کہ مردوں سے کیا چند قدم آگے نظر آتی ہے۔ یہ امر تو وہ علام الغیوب ہی بہتر جانتا ہے کہ مردوں کے ساتھ اس مساوات کا بلکہ اس تصادم و مقابلہ کا کیسا اور کب نتیجہ نکلے گا۔ آیا وہ مردوں سے بلند ہوجائے گی یا مرد اُس کو پیچھے ڈھکیلنے کے لئے اپنے زور و قوّت کا استعمال کرے گا اور وہ قدیم زمانہ کی

تہذیب کی طرف لوٹائی جائے گی جب کہ نہ اُس کی کوئی عزت تھی اور نہ اُس کی کوئی عظمت، اُس سے پالتو کتے کی بھی زیادہ توقیر تھی، وہ قیدخانہ میں مقفل کی جاتی تھی اور اُسے آسمان دیکھنے کا بھی حکم نہ تھا حتیٰ کہ "وہ ایک بے روح حیوان تھی"۔

لیکن ہم مسلمان ہیں اور ہم کو اپنی ترقی و فلاح کے ذرائع و اسباب قرآن حکیم میں تلاش کرنے چاہئیں۔ ظہورِ اسلام سے قبل تقریباً تمام ممالک میں خواہ وہ متمدن ہوں یا وحشی ان کی سوسائٹی کے قوانین مکمل ہوں یا ناقص، عورت ایک ذلیل ترین مخلوق تھی۔

اسلام نے اُس کو اس ذلّت سے نکالا اور اس کے حقیقی مرتبہ پر پہنچایا۔ اس کے حقوق کی تعین و تحدید کی، سوسائٹی اور قوم میں اس کا وقار قائم کیا اور اس کو مردوں کے برابر حیاتِ طیبہ کا مستحق ٹھہرایا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ	جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہوگا تو ہم اُس کی اچھی طرح زندگی بسر کرائیں گے اور اس کے اعمال کا اچھا صلہ دیں گے۔

پھر جب کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت بنی ہوئی تھی نہایت مؤثر انداز سے اس کا مقصدِ آفرینش سمجھا کر اس کے ساتھ محبت و مودّت کی ترغیب دی۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○	اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے ہی جنس کے ازواج پیدا کئے تاکہ ان کی طرف سے آرام پاؤ اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اور پھر:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ — عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ لباس کے ہیں اور تم عورتوں کے لئے بمنزلہ لباس کے ہو۔

فرما کر سارے امتیازات اور تفاخر کو اٹھا دیا اور اس وقار اور اس محبت اور اس مساوات اور حقوق کو قائم رکھنے کے لئے بھی کچھ حدود مقرر کر دیئے، اور عورت کو اس کا پابند بنایا تاکہ وہ ہمیشہ فلاح حاصل کر سکے، اس طرح ہماری صنفِ ضعیف کے لئے ایک ایسا حصنِ حصین تعمیر ہو گیا کہ جو اس کے اندر ہو گی وہ آفاتِ روزگار سے مصئون و محفوظ رہے گی۔

اس کے بعد اب عورت کے تحفظِ وقار کے طریقوں کا ذکر آتا ہے اور وقار کا تحفظ بہت کچھ سوسائٹی پر منحصر ہے اسلام ایک نہایت حکیمانہ مذہب ہے اس نے ہر ایسی بات سے روکا ہے جس کا انجام تمدنی و معاشرتی یا اخلاقی فساد ہو۔

اب میں آپ کے سامنے وہ آیات تلاوت کرتی ہوں جو عورتوں کے کامل وقار، پوری عزت اور اس کی زندگی کی مسرتوں کی ضمانت اور اس کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے اور اس ہی پر عمل کرنے سے عورت کی فطری شرم و حیاء اور اس کی عزت و ناموس اور وقار و مسرت کا انحصار ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ

اور مومن عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور پاک دامن رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں لیکن جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیا کریں اور اپنے خاوندوں اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کا

اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ناواقف ہوں کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیا کریں اور نہ اپنے پاؤں مارا کریں کہ اُن کا پوشیدہ زیور معلوم ہوجائے اور خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(سورۂ نور۔ ع ۴)

اس آیت میں دو باتیں سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہیں ایک نگاہوں کا نیچا رکھنا اور دوسرے زینت کا ظاہر نہ کرنا۔

نگاہوں کے نیچے رکھنے کے متعلق جو حکم عورتوں کو ہے وہی مردوں کو بھی ہے اور عورتوں سے پہلے مرد مخاطب ہیں اور اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی نگاہ کو محفوظ رکھیں، کیوں کہ یہ نگاہ ہی کا اثر ہوتا ہے کہ جو بسا اوقات انسان کی طبیعت میں ایسا جذبہ اور جوش پیدا ہوجاتا ہے جو شرم وحیا کے خلاف ہوتا ہے اور اس کے نتائج بد انسانی زندگی کو تباہ کردیتے ہیں۔ ایسی ہی نگاہ کی نسبت آں حضرت صلعم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا ہے کہ "نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر کا بجھا ہوا تیر ہے جو میرے خوف سے اس کو ترک کرے گا میں اس کے بدلے اس کو ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت اس کے دل میں محسوس ہوگی" دوسری بات زینت یعنی مواضع زینت کا ظاہر کرنا ہے۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہوکر اخلاق و اطوار ذمیمہ کی اصلاح شروع فرمادی تھی تاہم اس وقت پورا عرب مسلمان نہ ہوا تھا اور زمانہ جاہلیت کے معاشرت و تمدن کے رسوم موجود تھے چنانچہ لباس میں بھی زمانۂ جاہلیت نمایاں تھا۔

عرب عورتیں ایسی قمیصیں پہنتی تھیں جس میں موئی ٹکے رہتے تھے اور بغلوں کے دونوں

جانب سلائی نہیں ہوتی تھی جس سے پیٹھ کا حصّہ کھُلا رہتا تھا۔ ان کا لباس علی العموم ایسے باریک حریر و ریشم کا ہوتا تھا جس سے بدن کا رنگ جھلکتا تھا جن کی نسبت کاسیاتٌ عاریاتٌ صادق آتا ہے۔
(ڈھکی ہوئی (پھر بھی) ننگی)

امراء کی خواتین اپنے جسم کو مشک سے معطر کرتی تھیں موتیوں کے کنٹھے پہنتی تھیں مانگوں میں مشک بھرا رہتا تھا جن کی خوشبو مہکتی تھی، چوٹیوں اور مینڈھیوں کی زینت پر خاص توجہ کی جاتی تھی۔

زیب و زینت کے لئے ایسے کُرتے بھی استعمال ہوتے تھے جن سے ستر معدوم ہو جاتا تھا۔ پاؤں میں اس قسم کے زیور پہنتی تھیں جن سے جھنکار ہوتی تھی، ان کے شانے اور پنڈلیاں کھُلی رہتی تھیں۔ اس زیب و زینت کے ساتھ وہ مَردوں کی سوسائٹی میں شریک ہوا کرتی تھیں بڑے بڑے گھرانوں کی کنواری لڑکیاں اپنے دوستوں کے ہمراہ آبادی سے دُور مرغزاروں اور چشموں پر جایا کرتی تھیں۔ علی العموم تمام میلوں میں اور خصوصاً مشہور میلوں میں اسی بناؤ سنگھار کے ساتھ سیر و تفریح کرتی تھیں اور مَردوں کے جلسوں میں بے تکلف بیٹھتی تھیں۔

یہ حالت ایسی تھی کہ جس نے بہت سے اخلاقی فسادات پیدا کر دیئے تھے۔ قرآن حکیم نے جہاں اور اصلاحات فرمائیں وہاں اس کی بھی اصلاح کی اور بلاشبہ اگر اس طرح اصلاح سے جب کبھی روگردانی کی جائے گی تو ضرور اخلاقی فسادات پیدا ہوں گے۔ عورت اپنے منشاء آفرنیش سکینہ اور مودت و رحمت کو کھو دے گی اور اپنے عزو وقار سے دُور ہو جائے گی۔

آج جہاں ہم ان کو ترقی کی فضا میں پرواز کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے ایسے فیشن ایجاد اور نظریئے قائم کرتی ہیں کہ اس کے تصور سے بدن کانپ اُٹھتا ہے۔ بعض ممالک میں ایک تازہ نظریہ انھوں نے قائم کیا ہے کہ لباس کو بھی ترک کر رہی ہیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ عریانی جسم ہی بہترین لباس ہے اور یہ تو معمولی بات ہے کہ وہ گھر کی مسرت اور اصلی عزت و وقار سے بھی گر رہی ہیں اور ان میں ازدواجی زندگی سے بیزاری پیدا ہو رہی ہے۔ بعض جگہ

سال میں شادیوں سے زیادہ طلاقیں ہو جاتی ہیں اور وہ مائیں بننے سے بھی گریز کرتی ہیں۔

خواتین! اس نوبت پر تو نہیں لیکن تقریباً ایسی ہی آزادی و تقلید کی لہر ہماری تعلیم یافتہ خواتین میں پیدا ہو گئی ہے اور یہ تو اب روزمرّہ کہیں نہ کہیں دیکھنے میں آتا ہے کہ مسلمان عورتیں بھی مردانہ سوسائٹیوں اور تماشوں وغیرہ میں تبرج جاہلیت کی طرح یورپین تقلید سے فیشن ایبل لباس میں ملبوس ہو کر شریک ہوتی ہیں جو احکام الٰہی اور قوانینِ قدرت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

اسلام نے ہم مسلمان عورتوں کو حجاب و ستر کے لئے اسی حد تک مکلف کیا ہے جو مذکورۂ بالا آیات میں ہے لیکن اسی سلسلہ میں کچھ آیات اور بھی ہیں پہلی آیت:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝	اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو کسی سے نرم نرم باتیں نہ کیا کرو کہ وہ شخص کہ جس کے دل میں مرض ہے طمع کرنے لگے اور اُن سے دستور کے مطابق بات کیا کرو۔

اس میں صاف طور سے ازواج مطہرات، امہات المومنین سے خطاب ہے اور ان کو گھر میں بیٹھنے کی ہدایت اور نرم اور دھیمی آواز سے گفتگو کرنے اور جاہلیت کی طرح تبرج کرنے کی ممانعت ہے۔ حالانکہ نساء النبی امہات المومنین تھیں اور ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اُن کا نکاح بھی حرام ہو گیا تھا اور ہر مومن کے دل میں حقیقی ماں سے زیادہ ان کی عزت و حرمت تھی لیکن مقتضائے بشریت کو ملحوظ رکھکر بغایت تہذیب اور انتہائی احتیاط، یہ حکم دیا گیا پھر ہم کو تو بدرجہ اولیٰ ان باتوں کا لحاظ رکھنا لازم اور فرض ہے۔ دوسری آیت:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ	اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں یہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور بے شک اللہ بخشنے والا

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ مہربان ہے۔

سورۃ ۳۳ آیت ۵۹

یہ ایک خاص واقعہ اور موقع سے تعلق رکھتی ہے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پردہ کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں، عورتیں اپنی ضروریات کے واسطے باہر پھرتی چلتی تھیں شریر لوگ ان کو چھیڑا بھی کرتے تھے اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ واقف ہیں کہ فتنہ و فساد جنگ و جدال کے زمانہ اور خوف و ہیبت کے وقت انسان اکثر اسی قسم کی احتیاطیں عمل میں لاتا ہے کہ دوسرے اوقات میں وہ نہایت سخت تکلیف دہ اور آزادیِ انسانی کے لئے ایک روک اور حقوق انسانی کی غاصب ہوتی ہیں۔ ایسے ہی موقعوں پر حکومتوں کی طرف سے عموماً اس قسم کے قوانین نافذ کئے جاتے ہیں۔ یہ تکلیف محض اس لئے گوارا کی جاتی ہے کہ ایک بڑی مصیبت سے نجات حاصل ہو۔

میں کہتی ہوں کہ جب طبائع میں فساد ہو ایسے ذرائع مفقود ہوں جس سے عورت کے ناموس کا حقیقی تحفظ ہوسکے مروجہ اور نافذہ قوانین کوئی اخلاقی حفاظت نہ کرسکیں اور صاف یہ ہے کہ بر سرِ عام عصمت فروشی تک، آزادی کے احاطہ میں ہو تو ایسے زمانہ میں عصمت و ناموس کی حفاظت کے لئے ان سخت اور تکلیف دہ ذرائع اور تدابیر پر عمل ناگزیر ہے اور یہ تدابیر وہی ہیں جو ان دونوں آیات میں ظاہر کی گئی ہیں۔ میدان سے گھر کی چار دیواری میں زیادہ حفاظت ہے۔

خواتین!

حیا انسان کا ایک فطری جوہر ہے اور انسان سے اس کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے جن اخلاقِ فاضلہ کا ظہور ہوا اُن میں یہی جوہرِ اولین تھا سورۂ اعراف میں ہے کہ:

"جب آدمؑ و حوّا نے درخت کا پھل چکّھا تو دونوں کے پردہ کرنے کی چیزیں انھیں دکھائی دینے لگیں اور وہ بہشت کے پتّوں سے ستر پوشی کرنے لگے"

یہ صرف حیا ہی ہے جو انسان کی عفت و عصمت قائم رکھتی ہے۔ انسان کے تمدنی و معاشرتی تعلقات میں اس کے قیام یا ناموس کے تحفظ کی غرض سے قرآن مجید میں سب سے زیادہ شدید و سخت احکام ہیں۔ بدکاری جو بے حیائی کی انتہائی حد ہے اس کی سزا سو دُرّے مقرر کی ہے اور اس سخت سزا کے ساتھ یہ بھی تاکید ہے کہ رحم کا خیال بھی دل میں نہ لایا جائے۔

عورت کے ناموس کا وقار قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی تہمت سے پاک رہے جو انتہائی بے حیائی ہو اور اسی لئے عورت پر تہمت لگانے کی سزا اسّی دُرّے ہیں اور اس سزا کے ساتھ تہمت لگانے والے کو اس دائمی لعنت میں گرفتار کر دیا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ اس کی شہادت مردود ہے یعنی وہ ہمیشہ کے لئے پایہ صداقت سے گرا دیا گیا ہے۔

میں آپ سے دریافت کرتی ہوں کہ ایسے ملک میں جہاں یہ قوانین نافذ نہ ہوں مختلف مذاہب کی قومیں آباد ہوں۔ جہاں ایسے شدید ترین جرائم کی سزا اور وہ بھی خاص صورتوں میں چند مہینوں کی معمولی قید ہو وہاں حفظ ناموس کے لئے زیادہ احتیاط اور سخت مؤثر تدابیر کی ضرورت ہے یا نہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ ناموس کی حفاظت محض انسانی طبائع کی شرافت اور خیالات کی پاکیزگی پر مبنی ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے لیکن یہ بھی فطرت و طبیعت کا مقتضا ہے کہ اگر بُرا ماحول موجود ہو تو شرافت رزالت سے اور پاکیزگی گندگی سے بدل جاتی ہے۔ اس لئے ماحول کو درست رکھنے اور سوسائٹی کو خرابیوں سے پاک رکھنے کے لئے چند قواعد و ضوابط بنانے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان قوانین الٰہی سے بہتر انسانی دماغ کے قوانین نہیں ہو سکتے۔ پس ہم کو ان ہی قواعد پر عمل کرنا چاہئے۔

لیکن خواتین! میں اس کی مؤید نہیں ہوں اور نہ کوئی خفیف اشارہ اس قسم کا مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو علمی و تمدنی اور معاشرتی ترقی میں حصہ لینے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

عہد رسالت سے جب تک مسلمان ترقی کرتے رہے عورتیں اس میں برابر حصہ لیتی رہیں۔ جہاد و غزوات، درس و تدریس، ایثار و سخاوت۔ غرض ہر مرحلہ میں عورتوں کے نام اور اُن کے

کارنامے موجود ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا درس مجامع عام میں، حضرت فاطمہؓ اور حضرت نائلہ کی تقریریں حضرت سکینہ کی فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت قرونِ اولیٰ کی مثالیں ہیں پھر بنی اُمیّہ اور بنی عباس کے زمانہ عروج میں بھی خواتین اسلام کچھ کم ممتاز نظر نہیں آتیں ادب و شاعری کے علاوہ پولٹیکل معاملات میں بھی ان کا رسوخ تھا۔ ایک خاتون ام الفضل کے حالات میں لکھا ہے کہ ریاضی و ہیئت میں اس کو کامل درک حاصل تھا، اور ان علوم میں وہ ایک زبردست مصنف تھی۔

اسی طرح ایک اور خاتون فخر النساء جامع مسجد بغداد میں ہزاروں جیّد علماء کے سامنے نہایت ہی فصیح لیکچر دیتی تھی۔

بوران خلیفہ مامون الرشید کی بیوی زبردست عالم تھی یونانی اور لاطینی زبانوں پر اس قدر عبور تھا کہ فلسفہ یونان کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ علم ہیئت میں اس کے کمال کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی تعمیر کردہ رصدگاہ میں اجرام فلکیہ کا مطالعہ کرتی رہتی تھی۔

اسلامی احکام اور ان تاریخی واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح مرد علوم و فنون حاصل کرنے اور معاشرتی و تمدنی تعلقات قائم کرنے میں آزاد ہیں اسی طرح عورتیں بھی آزاد ہیں، وہ علمی مجالس میں، قومی درس گاہوں میں، ملّی تحریکوں میں، مسجدوں کی جماعتوں میں، میدانِ کارزار میں شریک ہو سکتی ہیں۔ وہ ہوا میں اُڑ سکتی ہیں اور سمندر میں غوطہ لگا سکتی ہیں۔ غرض زندگی کی ہر منزل میں وہ مردوں کے دوش بدوش کام کر سکتی ہیں لیکن حدود کے اندر رہ کر اور اخلاق اسلامی کو ملحوظ رکھکر مذہبی علوم میں واقف ہو کر اور عامل بن کر جو کچھ کیا جائے اس میں کتاب و سنت سامنے ہو اور اپنی اسلاف خواتین کی عملی زندگیاں پیش نظر رہیں اور اپنے تمدن و معاشرت میں اپنے ملکی و قومی حالات کو مدّنظر رکھیں۔ ہماری ترقی ریاضی و فلسفہ وغیرہ سے ممکن نہیں بلکہ اس کا انحصار تو قرآنی تعلیم پر ہے اور قرآن مجید کی تعلیم اور تاریخ و سیر کے مطالعہ سے انسان خود اپنے نفس

اپنی طبیعت اور اپنے خیالات کی اصلاح کر سکتا ہے۔

حقیقتاً یہ قومی بدقسمتی ہے کہ باوجودیکہ قرآنِ حکیم اور رسول خدا صلعم نے علم کی فضیلت کو نہایت صاف طور پر بیان کیا ہے اور حصولِ علم کو رفعت درجات کا ذریعہ گردانا ہے اور جاہل اور عالم کے درجہ کا امتیاز بتا دیا ہے اور ایک صاف حدیث میں لڑکیوں کے متعلق مردوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ:

"جس مرد نے اپنی لڑکی کی تربیت کی، اُس کو ادب سکھایا اور اس کو تعلیم دی اور بہت اچھی طرح تعلیم دی اور اس کا نکاح کر دیا۔ ایسے مرد کے لئے بہت بڑا اجر ہے"

ہمارے علماء کرام نے ہماری عورتوں کی تعلیم کی طرف سے اتنی بے پروائی اختیار کی کہ ان کو علوم مذہب سے بھی محروم کر دیا۔

میں دریافت کرتی ہوں کہ آج ہماری قوم میں کتنی عورتیں ہیں جن کو قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیا عورتوں کے لئے یہ تعلیم، شجرِ ممنوعہ تھی، کیا عہدِ سعادت اور علمی عروج کے زمانہ میں مسلمان عورتیں اس طریقہ سے محروم رکھی گئی تھیں۔ آج ہماری قوم میں جو آزادی و تقلید اور اعمال مذہب سے بے پروائی اور بڑی حد تک بے دینی کی لہر پیدا ہو گئی ہے اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ عورتیں علوم مذہب تک سے محروم رکھی گئیں۔ بلکہ اب تو روز بروز مرد بھی اس سے کوسوں دور ہوتے جاتے ہیں اللھم احفظنا دیکھئے ہمارا انجام کیا ہوتا ہے اور کس گڑھے میں اوندھے مُنہ گرتے ہیں۔

خواتین! یہ کوئی مشکل کام نہ تھا اور کوئی دشوار بات نہیں ہے کہ ہماری صنف میں ایک جماعت طالبات ایسی ہو جو عام تعلیم کے ساتھ علوم مذہب کی تکمیل کرے اور اس کی تعلیم کا کافی انتظام ہو۔

آپ یقین رکھیں کہ بحیثیت مسلمان کے ہماری نجات بغیر مذہبی تعلیم اور مذہبی تربیت کے

ممکن نہیں ہم دنیا میں کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لیں ہم مغربی خواتین سے ہزارہا میل آگے کیوں نہ نکل جائیں، لیکن یاد رکھو کہ اس کی سرحد تنزّل سے مل جائے گی۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ اگر سر دست مرد ایسی تعلیم کا انتظام نہ کریں تو آپ خود ہی مطالعہ سے اپنی معلومات بڑھائیں۔

قرآن مجید کو ترجمہ سے اور اگر دقّت ہو تو تفسیر کے ساتھ پڑھیں۔ احادیث، تاریخ اور سیر کی کتابیں جو مادری زبان میں بھی موجود ہیں مطالعہ کریں۔ خداوند کریم توفیق دے اور لڑکیوں کو بھی یہ چیزیں پڑھائیں تاکہ گھر میں اللہ اور رسول اللہ کا ذکر ہو۔ اس طرح آپ خود بھی مستفید ہوں اور محلہ اور آس پاس کی بیبیوں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ پھر آپ دیکھیں گی کہ کیا بصیرت پیدا ہوتی ہے؛ خدا کی رحمت و برکت آپ کے شامل حال ہو کر آپ کیسی پکّی اور سچّی مسلمان بنتی ہیں۔

خواتین ! میں نے مذہبی تعلیم اور اعمال کے متعلق مسلم یونیورسٹی کے جلسہ میں بھی توجہ دلائی ہے لیکن تم کو زیادہ توجہ دلاتی ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں ہی قوموں کو بناتی بگاڑتی ہیں، مائیں بھی ہوتی ہیں جو انسان کی تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہیں، بیویاں ہی گھروں کو آباد اور شاد رکھتی ہیں۔ اس لئے ان ہی پر مَردوں کے مقابلہ میں زیادہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے خدا نے تمھارا مرتبہ بلند کیا ہے۔ نبی کریمؐ نے تمھارے ساتھ زیادہ شفقت فرمائی ہے۔ قرآن مجید کے احکام اصلاحات علی العموم مردوں اور عورتوں کے لئے برابر ہیں۔ لیکن تمھارے متعلق خصوصیت سے تذکرہ ہے۔ سورۂ نساء اور سورۂ نور میں مخصوص طور سے تمھارا تذکرہ ہے۔ خیال تو کرو کہ جس سورۃ میں تمھارے متعلق زیادہ احکام ہیں اس کا نام سورۂ نور ہے۔ گویا تم حقیقت میں نور ہو۔ پس کیسے افسوس کی بات ہوگی کہ تم ظلمات میں گھر جاؤ۔ شیطان جو انسان کا دشمن ہے تم کو مرتبۂ اعلیٰ سے قعرِ مذلت میں گرانا چاہتا ہے۔ اس لئے تم کو زیادہ ہوشیاری اور مذہب کی پابندی کی ضرورت ہے۔ تم تعلیم و تربیت میں کوشش کرو اور دنیا میں اخلاق کا نور پھیلاؤ، تم دنیا کی بہترین متاع ہو

جیسا کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ہے: الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحہ[1]

پس صالحہ بنو تاکہ اس حدیث کے مصداق ہو جاؤ۔

خواتین! میں نے آج جو کچھ آپ کے سامنے کہا ہے اس کو اپنا فرض سمجھا ہے اور ممکن ہے کہ پھر ایسا موقع نہ ملے کہ میں آپ سے خطاب کروں۔ اس لئے یہ درخواست بھی کرتی ہوں کہ آپ میری اس تقریر کو از اوّل تا آخر اپنے اوقات فرصت میں غور کے ساتھ مطالعہ کریں اور اپنی مخلصہ اور سچّی مخلصہ کی نصیحت پر دل سے غور دخوض کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ اسلامی احکام کی پابندی اور قوانین اسلام پر چلنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔ تاکہ مذہب اسلام کی شمع، تقلید کی بادِ تند سے جھلملا نہ جائے۔

اب میں آپ سے دعا کی طالب ہوں اور خود خدا وند کریم سے یہ دعا کرتی ہوں کہ

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ۝ ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك وارنا مناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم[2]

---

[1] دنیا ریوں تو) ساری کی ساری ایک پونجی ہے مگر دنیا کی سب سے اچھی پونجی نیک عورت ہے۔

[2] اے ہمارے خدا ہماری دعا قبول کر، تو ضرور سننے اور جاننے والا ہے اے ہمارے پروردگار ہمیں اب فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد کو اپنی فرماں بردار قوم بنا اور ہمیں ہمارے راستے دکھا اور ہماری توبہ قبول کر، تو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال

بموقع

کانووکیشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(بتاریخ ۱۵ نومبر ۱۹۲۶ء)

یور ہائینس! وائس چانسلر! معززین و خواتین! مجھے آج پانچویں کانووکیشن کے موقع پر اس امر کا اظہار کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ اگرچہ کارکنان یونیورسٹی کا یہ ابتدائی زمانہ مبادیات کے طے کرنے میں زیادہ صرف ہوا تاہم اس قلیل مدت میں اصل کام کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ یہ کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں ہے کہ یونیورسٹی کے قیام یعنی سنہ ۱۹۲۱ء سے لے کر اس وقت تک ایسا زمانہ گزر رہا ہے کہ اس میں قومی قوتیں منتشر اور قومی اصلاح و ترقی کے خیالات پریشان رہے ہیں لیکن اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اگر ہم دلی خلوص و جوش اور سرگرمی و مستعدی سے کام لیں تو وہ وقت انشاء اللہ تعالےٰ جلد آنے والا ہے کہ یہ یونیورسٹی ہر لحاظ سے مستحکم

ومضبوط اور شان دار ہوجائے گی۔

مجھے پرووائس چانسلر کی رپورٹ سے یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ یونیورسٹی میں طلبار کی تعداد سال بہ سال بڑھ رہی ہے اور منتظمین یونیورسٹی نے اسی نسبت سے پروفیسروں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا ہے اور شریکِ امتحان طلبار کی تعداد بھی بہت معقول اور کامیاب طلبار کا اوسط بھی قابلِ تعریف ہے۔ ساتھ ہی یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں علاوہ مسلمانوں کے دیگر مذاہب کے طلبار کی کثرت بھی اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ عموماً طالبانِ علم کو اس یونیورسٹی کی طرف ایک زبردست رجحان ہے۔

یہاں کے تعلیم پائے ہوئے اصحاب کے متعلق میرا تجربہ بہت اچھا رہا ہے۔ میں نے اُن کو مستعد، روشن خیال اور فرض شناس پایا ہے اور یہی تعلیم کا ماحصل ہے۔

تعلیمی ترقی کا معیار پاس اور فیل ہونے والے طالب علموں کی تعداد پر نہیں ہے بلکہ اس پر کہ جو تعلیم اُن کو دی جائے وہ اُس کے اثرات پورے طور پر قبول کریں اور اُس میں ہمیشہ ترقی دیتے رہیں۔

مجھے اس بات کی خاص مسرت ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں ہائی اسکول گریجویشن سے لے کر ڈگری اگزامنیشن تک لڑکیاں بھی شریکِ امتحان ہوئیں اور اُنھوں نے معقول کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ اُن کی تعداد ابھی مختصر ہے لیکن اس پانچ سال میں جو دلچسپی اور رفتارِ ترقی طبقۂ اناث میں نظر آرہی ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی تعداد میں آئندہ ضرور ترقی ہوتی رہے گی۔ حامیانِ تعلیمِ نسواں کے لئے یہ یقیناً ایک مبارک باد کا موقع ہے۔ مگر پوری مسرت اُس وقت ہوگی جب مسلمان عورتیں کثرت سے اپنے مناسبِ حال تعلیم میں ترقی کریں گی۔

حضرات! گذشتہ جوبلی کے موقع پر جس میں مجھے اپنے شریک نہ ہوسکنے کا افسوس ہے

یونیورسٹی کے ساتھ جو دلچسپی ظاہر ہوئی اور جس شان دار طریقہ سے یہ تقریب منائی گئی۔ اور اطراف ہند سے ہمدردانِ تعلیم کا جو عظیم الشان اجتماع ہوا اور جو امدادیں دی گئیں اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب قومی خیالات پھر اس مرکزِ علمی کی طرف منعطف ہوتے جاتے ہیں۔

اس فیاضی کے سلسلہ میں ہز ہائی نس مہاراجہ اَلور کی فیاضانہ امداد کا میں خصوصیت سے شکریہ ادا کرنا ضروری جانتی ہوں جس کی قدر و قیمت میں ہز ہائی نس کی اُس دلچسپی نے اور بھی زیادہ اضافہ کر دیا ہے جو اُنھوں نے اس موقع پر خود تشریف لاکر ظاہر کی۔

ان فیاضیوں کے تذکرہ میں نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر کی مسلسل فیاضیاں تو شکریہ سے مستغنی ہو چکی ہیں۔ ہم سب واقف ہیں کہ رُبع صدی سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا ہے کہ ہر موقع پر وہ نہایت جوش کے ساتھ ہر ممکن امداد کرتے رہے ہیں اور ہر قومی ضرورت کے وقت اُن کی مالی فیاضی نئی شان سے ظاہر ہوتی ہے گویا اُنھوں نے قوم اور تعلیم کو اپنا حصہ دار بنا لیا ہے۔

حضرات! ہمارے موجودہ شعبہ ہائے تعلیم اور دیگر ضروری شعبے جن کے قیام کے بغیر یونیورسٹی کو اپنی حیثیت کا قائم رکھنا دشوار ہوگا ابھی بہت سی فیاضیوں کے محتاج ہیں اور اُس کے لئے ہماری قوم کی عام دلچسپی اور ایثار کی ضرورت ہے۔

مسلمان تعلیم کے متعلق ہمیشہ فیاض رہے ہیں ہر ملک میں اُن کی تعلیمی فیاضیوں کے آثار موجود ہیں۔ ہندوستان میں بھی اُنھوں نے کچھ کم علم کی سرپرستی نہیں کی اور ایک ایک شخص نے نہ صرف اساتذہ کے لئے بیش قرار اوقاف مقرر کئے بلکہ طلباء کے اخراجات کی بھی کفالتیں کیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں بھی یہ امر محال نہیں کہ مسلمان ایک ایسا شاندار دارالعلوم مکمل کر لیں جو ان کی قدیم علمی شہرت و عظمت کو پھر زندہ کر دے۔

مجھے مسرت ہے کہ گزشتہ دو تین سال میں ہماری یونیورسٹی کے شعبوں میں اضافہ ہوا ہے اور کل ہی ہز ہائی نس نواب سکندر صولت فرماں روائے بھوپال کے دست مبارک سے سائنس کالج کی جو بنیاد رکھی گئی ہے اُس کی تکمیل سے جدید شعبوں کے قیام کی بہت دشواریاں حل ہو جائیں گی ساتھ ہی ہز ہائی نس نے جو گراں قدر رقم عطا کی ہے میں شکریہ کے ساتھ اُس کو موسم بہار کی آمد آمد سے تعبیر کرتی ہوں۔ خداوند کریم اُن کو ایسی فیاضیوں کے بہت سے موقعے عطا کرے کہ قوم کی صنفیں جن میں سے صنف ضعیف میں اُن کی والدہ بھی شامل ہیں ان سے متمتع ہوتی رہیں۔

جدید شعبوں میں ٹریننگ کالج کی کامیابی کو میں نہایت مسرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں کیونکہ اس کی کامیابی پر ہماری قوم کی ابتدائی تعلیم کی وسعت اور مضبوطی کا انحصار ہے۔ لیکن ان کے علاوہ ہم کو اپنی توجہ اس امر کی جانب بھی بہت جلد مبذول کرنی چاہیئے کہ ہمارے طلبا صنعت و حرفت و تجارت کی تعلیم پا کر حصول معاش کے لئے ملازمت کی قیود سے آزاد ہو جائیں اور اپنے اپنے مختلف شعبوں میں یکسوئی سے محنت کر کے قوم کو بھی نفع پہنچائیں اور خود بھی فارغ البال زندگی بسر کریں۔

حضرات! انتظامات تعلیم میں فیاضی کے ساتھ ہی ساتھ ہم کو اخراجات تعلیم میں قوم کی اقتصادی حالت بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے تاکہ علم امیروں اور دولتمندوں ہی کے لئے مخصوص نہ ہو جائے اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے دارالعلوم کے احاطہ میں سادگی و کفایت شعاری کا عملی درس دیا جائے۔ ہماری بہت سی قومی ضرورتیں ہیں جو بغیر روپیہ کے پوری نہیں ہو سکتیں اور روپیہ سادگی و کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ یورپ سے قطع نظر کر کے خود ہمارے ملک میں وہی اشخاص ہر سال ہزاروں اور لاکھوں روپیہ قومی

کاموں میں عطا کرتے ہیں جن کی زندگی میں بھی دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس احاطہ میں داخل ہوتے ہی ہر طالب علم کو پہلا سبق سادگی و کفایت شعاری کا ملنا چاہیئے تاکہ جب وہ اس احاطہ سے باہر جائے تو اُسی زندگی کا خوگر رہے اور ایسے ہی طالب علم سے امید ہو سکتی ہے کہ وہ اس مادرِ علمی کی ترقی یا اپنی قومی ضرورتوں کے لئے فیاضی کا اظہار کر سکے گا۔

حضرات! اس موقع پر میں اپنے اس افسوس کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ جداگانہ قومی یونیورسٹی کا جو مقصدِ اوّلین تھا وہ موخر ہوتا جاتا ہے۔ یعنی اس کے شعبۂ علومِ اسلامیہ دینیات اور اسلامی تاریخ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ کوئی خاص کوشش بھی اس کی ترقی کے متعلق عمل میں نہیں آئی۔ میں نے تیسرے کانووکیشن کے موقع پر بھی اس کی نسبت توجہ دلائی تھی اور آج میں کسی قدر صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر اس شعبہ پر فوری توجہ نہ کی گئی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارے متقدم جانشینوں نے جو وعدے قوم سے کئے تھے ہم اُن کے ایفا کے لئے تیار نہیں ہیں اس کے علاوہ مجھے تعلیم دینیات میں اخلاق اور اسلامی تاریخ و سیر کی کمی اور بے اصولی پر بھی توجہ دلاتی ہے۔ کیا یہ افسوسناک کمی نہیں ہے کہ یونیورسٹی نے ہائی اسکول اگزامینیشن سے ڈگری کورس تک تاریخ و سیر میں عہدِ رسالت کو صرف آغاز اسلام کے چند صفحات میں محدود کر دیا ہے اور عہدِ صحابہ کو مطلقاً نظر انداز کیا ہے حالانکہ یہی وہ چیز ہے جس سے مسلمانوں کو سب سے پہلے واقف ہونا چاہیئے اور اسی سے اُن کے کیرکٹر اور سیرت کو جلا ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکارمِ اخلاق کی تکمیل کو اپنی بعثت کا منشاء قرار دیتے ہیں اور خداوند کریم آپ کی زندگی کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ

فرماتا ہے۔

ہماری قومی تاریخ میں زیادہ تر عباسی اور اموی خلفا کے متمدن زمانہ کی تاریخ ہے۔ اور بلاشبہ وہ دل کش، دل چسپ اور باعث فخر ہے لیکن عہد رسالت اور عہد صحابہ کی تاریخ اس سے زیادہ مفتخر اور مفید و شاندار ہے جس سے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا ہے۔ جذبات اسلامی کی نشو و نما ہوتی ہے اور انسانی ترقی کا راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اس لئے ہمارے دار العلوم میں اسلامی تاریخ و سیر کو تدریجی منازل کے ساتھ اس معیار پر ہونا چاہیئے کہ جب اخیر ڈگری تک نوبت پہنچے تو ہمارے طلبا اُس سے کم از کم اس قدر تو واقف ہوں جتنا کہ قدیم و جدید ہندوستان اور یورپ کی تاریخ سے واقف ہوتے ہیں۔

میں اس خاص امر پر زور دوں گی کہ قرآن مجید کا ترجمہ لازمی رکھا جائے اور جس طرح کہ ابتدائی درجہ (ب) سے قرآن مجید شروع کرایا جاتا ہے اسی طرح ڈگری کورس تک ترجمہ ختم کرا دینا چاہیئے تاکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ مسلمان مذہب اور اس کی حقیقت سے باخبر ہو سکیں۔

ہم کو اسلامی تاریخ اور سیَر کے متعلق نہ صرف تعلیم ہی کا انتظام کرنا ہے بلکہ مستقل طور پر تحقیقات جدیدہ کے انتظام کی ضرورت ہے اور میں متمنّی ہوں کہ جس طرح کالج کے دورِ اوّل نے علامہ شبلی جیسا زبردست مورّخ پیدا کیا اسی طرح آپ کی یونیورسٹی کا دورِ اوّلین متعدد شبلی پیدا کرے۔

اسی طرح میرا دل اس بات کا بھی متمنّی ہے کہ علوم اسلامیہ کے متعلّق جو کام کہ آج یورپ میں علمائے علوم مشرقی کر رہے ہیں وہ کام ہماری یونیورسٹی کے پروفیسران و طلبا کریں۔ میری یہ دلی تمنّا ہے اور خدا اسے پورا کرے کہ ہماری یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ

نوجوانوں میں جو اسلامی اور مغربی علوم میں اعلیٰ قابلیت رکھتے ہوں کچھ ایسے نوجوان بھی ہوں جو پورے ایثار کے ساتھ اور محض جوشِ اسلامی اور جذبۂ قومی کی بنیاد پر یہ خدمات انجام دیں۔ ایک طرف ایک گروہ ان خدمات میں مصروف ہو دوسری طرف ایک گروہ ایسا بھی ہو جو اپنی مادری زبان میں اپنی تحقیقات کے نتائج کو شائع کرتا رہے تاکہ اس دارالعلوم کے احاطہ کے باہر بھی شائقین علوم فیض یاب اور بہرہ مند ہوں اور اس طرح وہ تمام قوم اور ملک کو اپنے دارالعلوم کا شاگرد بنالیں۔

اس ضرورت کے پورا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ یونیورسٹی میں ایک شاندار لائبریری ہو جس میں نایاب قلمی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں ہنوز بہت سے پرائیوٹ چھوٹے اور بڑے ایسے کتب خانے موجود ہیں جن میں نایاب قلمی کتابوں کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں اگر وہ ذخیرے اس لائبریری میں جمع ہو جائیں تو نہ صرف لائبریری کی عظمت وشان میں اضافہ ہوگا بلکہ طالبانِ علم کو علمی اور بالخصوص تاریخی ومذہبی تحقیقات میں بڑی مدد ملے گی۔ اور وہ ذخیرہ بھی حوادثِ روزگار سے محفوظ رہے گا اور اس کے ذریعہ سے ایک اعلیٰ درجہ کی اسلامی خدمت ہو سکے گی۔

میں اس مسرت کو بیان نہیں کر سکتی جو مجھے کل یہاں پہنچکر اس خبر سے حاصل ہوئی کہ مولوی سبحان اللہ خاں صاحب رئیس گورکھپور نے اپنا مشہور ونادر کتب خانہ یونیورسٹی کو عطا کر دیا ہے۔ میں ان کا دلی شکریہ ادا کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ یہ ایک بہترین مثال اس علمی فیاضی کی ہوگی۔

حضرات! یونیورسٹی، شاندار ایوان وقصور، سربفلک عمارات اور رفیع الشان بورڈنگ ہاؤسوں کا نام نہیں نہ یونیورسٹی ہر سال ہزاروں طلبا کو ڈگری ہولڈر بنانے کے

کارخانہ کو کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کو "مطلع العلوم" ہونا چاہیئے جس سے علم کا نور دنیا میں پھیلے اور جہالت کی ظلمت و تاریکی دور ہو۔

میں جہاں تک سمجھتی ہوں اس کا انحصار صرف ہمارے پروفیسروں اور پوسٹ گریجویٹ اسکالروں پر ہے جو اپنی زندگی علم کے لئے وقف کردیں اور علم ہی ان کا مقصدِ زندگی ہو اور جن کو اسی ایک بات کی دُھن ہو کہ ان کے شاگردوں میں روشن دماغی، وسیع الخیالی قوتِ فکری اور ولولہ وہمّت پیدا ہو۔ بالخصوص قومی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں سے تو ان امور کی اور بھی زیادہ توقع ہونی چاہیئے۔ اور مسلمان پروفیسروں سے مجھے اس بات کی بھی توقع ہے کہ وہ ایک مسلمان پروفیسر کا نمونۂ کامل ہوں اور اُن کے ہر انداز میں اسلامی شان اور اسلامی خصوصیت نمایاں ہو۔

حضرات! اس سلسلہ میں اپنی ایک اَور آرزو کا بھی اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ ہماری قوم میں اگرچہ اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے اصحاب کی کمی ضرور ہے لیکن قحط نہیں ہے ان میں جو اصحاب علم کے ساتھ ذوق وشوق رکھتے ہیں اگر کبھی کبھی ہماری یونیورسٹی میں اپنے خاص فن اور موضوع پر لکچر دینے کی تکلیف گوارا کریں تو ان کا یونیورسٹی پر احسانِ عظیم ہوگا اور وہ علم و قوم اور مذہب کی ایک بڑی خدمت انجام دیں گے۔ میں چانسلر کی حیثیت سے ان تمام اصحاب سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اس جانب توجہ کریں۔

اے عزیز طالب علمو!

اب خاتمۂ تقریر پر میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

آج کی تقریب حقیقت میں ایک ایسی تقریب ہے۔ جب کہ تم یونیورسٹی کی یادگوں سے میدانِ زندگی میں اپنے علمی کمالات ظاہر کرنے کے لئے رخصت کئے جاتے ہو اور تم کو

تمہارے ساتھی اور تم کو رخصت کرنے والے دونوں ان امیدوں کے ساتھ رخصت کرتے ہیں کہ تم اپنے کمالات سے اس مادرِ علمی کی عزت و شہرت اور وقعت و عظمت میں چار چاند لگاؤ گے۔ تم کو یہاں سے ایسے جذبات کے ساتھ جانا چاہیئے جن کی قوت سے تم زندگی کی صف آرائیوں میں فتح و نصرت کا پرچم اُڑاؤ۔ تم اپنے ملک کو اور اپنی قوم کو اپنی قابلیت و ذہانت سے ممتاز و کامیاب بناؤ، تمہارا ہر عمل تمہارے علم و فضل کا آئینہ ہو۔ تم تہذیب و تمدن اور ملک کی ترقی میں وہ حصّہ لو جو تمہارے زمانہ کی یادگار رہو۔ تم کو اپنا نصب العین بلند رکھنا چاہیئے۔ تمہارا ملک اپنی ترقی کے لئے تمہاری قابلیتوں، محنتوں اور تمہاری ہمتوں کا حاجتمند ہے۔ اُس کے پہاڑوں اور جنگلوں میں، اس کی نہروں اور دریاؤں، کھیتوں اور بنجروں میں ایسے ایسے خزانے موجود ہیں کہ اگر تم ہمت کروگے تو وہ تم کو مالا مال کردے گا۔ تم نے قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ اور اُس کے فلسفہ کا کتابوں میں مطالعہ کیا ہے۔ لیکن اب تم کو عملی زندگی میں ان امور کا تجربہ کرنا ہے اور جس طرح کہ تم نے یونیورسٹی کے کمروں میں محنتیں کرکے علمی سندیں حاصل کی ہیں اسی طرح تم کو اس وسیع دنیا میں ایک دوسرے امتحان کی تیاری میں مصروف ہونا ہے اور مجھے امید ہے کہ اُس میں بھی تم ایسی ہی کامیابی حاصل کروگے۔

اے میرے کامیاب عزیزو!

تم میں سے جو متبع اسلام ہیں اُن کو میری خاص نصیحت ہے کہ تمہاری تعلیم اور تمہاری سیرت قوم کے لئے سرمایہ فخر ہو، تم ہمیشہ اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ تم اسلام کے فرزند ہو۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دنیا کے لئے پیامِ امن لے کر آیا ہے، اس کے ہر حکم میں انسانی زندگی کے ہر ایک مرحلہ کے لئے ایک سلامتی ہے، اُس نے غیر مُسلم

اقوام کے ساتھ اُس رواداری کا سبق دیا ہے کہ جس سے گھر کی چار دیواری سے لے کر دنیا کے وسیع حدود تک امن قایم رہتا ہے۔ تم ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کر رہے ہو جہاں مختلف مذاہب کے متبعین کی ہمسائگی ہے۔ اُن کی اور ہماری زندگی اور مُلکی ترقی و تنزل ایک ہی دائرے کے اندر محدود ہے۔ تم ایک محکومانہ حالت میں ہو اور تمہارے اوپر اُس حکومت کے فرائض بھی ہیں جس میں تم امن و امان کے ساتھ رہتے ہو اس لئے تم کو تمام غیر مُسلم اقوام اور حکومت کے ساتھ وہ اتحاد وہ رواداری اور وہ طرزِ عمل اور اطاعت اختیار کرنی چاہیے جس کا سبق تم کو قرآنِ حکیم سے حاصل ہوا ہے۔ تم کو فرقہ وارانہ تعصبات کی مکدّر فضا سے ہمیشہ بچنا چاہیے بلکہ تمہاری تعلیم کا اقتضا اور تمہارے مذہب کا حکم یہی ہے کہ صلح اور آشتی کی زندگی بسر ہو۔ تم کو اپنے ملک میں متحدہ قومیت کا عَلَم بردار بننا چاہیے۔ اور اپنی اخلاقی طاقتوں کو ہمیشہ اتحاد پیدا کرنے اور اتحاد رکھنے میں صرف کرنا چاہیے۔ تم کو ہرگز ایسے راستے اختیار نہ کرنا چاہئیں کہ جن کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

سب سے آخر میں میں تم کو اُن نصیحتوں کی جانب متوجّہ کرتے ہوئے جو حضرت لقمان جیسے حکیم و دانا نے اپنے فرزند کو فرمائی تھیں جن کے متعلق چند آیاتِ قرآنی تم کو سنا کر میں اپنی اس تقریر کو ختم کرتی ہوں۔ خداوند عزوجل تم کو اُن پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ
وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝
وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ
إِلَيَّ ج ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ
أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ
لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ
وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ط إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝
وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ط
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

Her Highness then recited verses from the Holy Quran and amidst deafening and prolonged cheers concluded her wonderful speech.

Copy of the telegram dated 16th November 1926 from His Highness the Ruler of Bhopal addressed to the Vice-Chancellor, Muslim University.

On leaving Aligarh I desire to convey my warmest thanks to you, the Pro Vice-Chancellor and all University authorities for your great kindness and the trouble [illegible] taken to make my visit to my alma mater an [illegible]. Nothing was left undone to make [illegible] happy and comfortable and although [illegible] to Aligarh I am carrying with me most pleasant memories which I shall always cherish. My best thanks are also due to the students and I should feel obliged if you would specially convey to them my great appreciation of the rousing welcome they gave me their elder brother.

I wish you every success in the work which is being carried on to keep the late Sir Syed's memory green.

(Sd.) HAMIDULLAH.

Muslim University Press, Aligarh

country, said Her Highness, needed their capabilities and their educational qualifications to be brought into full play. Unlimited resources of wealth were lying hidden in the soil of the Mother-land. It was up to the students of the University to go out into the world and make the fullest use of their knowledge to unearth these hidden treasures and enrich their poor country. A still greater and stiffer test in life lay before them when they ceased to be mere book worms in the lecture halls and laboratories of their University. She hoped that they would meet with the same success in life as has crowned their efforts within the premises of the University. Addressing the Muslim students in particular Her Highness in a very feeling and affectionate manner asked them to remember that they were the sons of Islam which had brought the message of peace for the world and every injuction of it was the source of safety in the struggle of life. Islam has taught them that toleration for non-Muslims as cannot but keep them at peace with every body in God's vast world. "My dear students" said Her Highness "you are living in a country inhabited by different creeds. Your object and outlook in life is the same as theirs. The progress of your country or its decline is the concern of you all. You are a subject people and you have duties to perform by the government under which you are living in peace. You have therefore to live in unity and with tolerance with all of them and show them the respect that Quran has enjoined upon you. You must sail clear of the dangerous rocks of communal prejudice and not allow yourself to be contaminated by that poisonous atmosphere. Your education demands and your religion orders that you must live in peace and amity and carry aloft the standard of a united nation in your country. It should be your neverceasing effort to bring about harmony and concord where friction and disruption exists."

individual persons in the country to render service to the course of knowledge by transferring their collection of books to the safer custody of the University where alone they can be usefully utilised for the advancement of learning. She quoted with thanks and appreciation commendable example of Moulvi Subhanullah Khan of Gorakhpur who has handed over his valuable library to the University. "University is not the name of magnificent buildings and stately edifices" said Her Highness, "nor should it be a factory for turning out thousands of degreeholders. It must be the firmament of light which should dispel the darkness of ignorance." This object could only be achieved through the devotion of the Professors and Post graduate scholars of the University, whose one aim in life should be to dedicate their lives to the cause of learning, and ambue their students with the spirit of knowledge for its own sake. Her Highness expected every Professor of the University to be a model of a Muslim teacher and precepter, whose life at every minute of it should be an examble of Muslim culture and spirit. Her Highness, as Chancellor of the University appealed to all learned men and specialists in various subjects to deliver lectures at the University and thus to give its alumni the benifit of their profound learning and expert knowledge.

In the end addressing the students in general Her Highness gave them pieces of invaluable advice and exorted the students who were going out of the University to carefully guard and maintain the prestige and reputation of their alma mater. She advised them to carry within their breasts such noble aspirations as would enable them to successfully fight the battles of life, in the course of which every little action of theirs would be a mirror of the education and training that they received at their University. Their

the perfection of what is best in human character, and God Almighty declares the life of the Prophet as the completest model for us. Our Islamic History comprises mainly of the more advanced periods of A'bbaside and Ommayyad dynasties. These are, no doubt, proud periods of attractive and interesting history. But by far more glorious and instructive is the history of the period of our Holy Prophet and his companions, which revives the faith within us, nourishes true Islamic spirit and sentiments, and illumines the high road to human progress. I wish, therefore, that the course of studies in Islamic History should be so graduated that by the time a student reaches the stage of final Degree he should at least be as much conversant with it as he usually is with Indian and European histories. I should like to emphasise in particular that the study of Al-Quran with its translation should be made compulsory. Beginning with the preliminary B. Class, the translation ought to be finished in the Degree class, so that our Muslim youths with modern education should understand their religion and its spirit."

Her Highness than advised for special provision for research work in Islamic History and wished Aligarh to produce not one but many Shiblis, who would render the same service to Islam in India, what the great orientalists are doing in Europe. She appealed to young men of the community who have the further advantage of having received education in Europe to take up this work in right earnest and with a spirit of self-sacrifice. Another band of selfless workers was in the opinion of Her Highness, wanted to publish the result of their researches in their mother tongue and thus to spread all round the light of learning that is glowing here. To achieve this subject, Her Highness felt the absolute necessity of a well-equipped library full of rare books and manuscripts, and appealed to

SPEECH OF HER HIGHNESS.

On the occasion of the fifth convocation of the Muslim University, Aligarh, Her Highness the Begum of Bhopal as Chancellor delivered the following remarkable and instructive address :—

" GENTLEMEN,

I cannot help feeling sorry at the fact that what was really the first and foremost object of founding a denominational institution like ours is now being relegated to the background. What I mean to say is that no progress whatsoever has been made in the teaching of Theology and other Islamic studies, and what is worse still, no efforts have so far been made by the University authorities in this direction. I had drawn pointed attaraction to this grave omission on the occasion of the third convocation, and today I want to speak out rather plainly that if immediate attention is not paid to this particular branch of learning it will tantamount to a clear admission on our part that we are not prepared to fulfil the promises that were held out to the community by our Predecessors. Besides I have today to invite your special attention to the lack of moral teaching and Islamic history in the course of Theological studies, and to the selection of books without any principle in view. Is this not a mattar of extreme regret that the whole course of Islamic History from the High School right up to Degree Examinations has been compressed within the all too brief brochure 'Beginning of Islam', and the period of the Holly Prophet's life and of his companions has been severely lost sight of, although this is the very first thing alone which can make his character shine. The Holly Prophet expressed as the object of his mission

to Their Highnesses of Rampur, Bahawalpur, Patiala, Gwalior and Khairpur. I must also make special mention of the keen personal interest which His Highness the Maharaja of Alwar has evinced in this University. His Highness' visit to this seat of learning and his financial support to the cause of Muslim education was most significant, coming as it did at a time when certain irresponsible forces were at work to create an unfortunate and most regretable schism between the two great communities of India. It went a long way to show that India is not without leaders who regard Hindu-Muslim unity a great national asset and who are always ready to do their utmost in order to bridge the gulf and I think our most sincere thanks are due to His Highness for the lead he has given us. At the same time, we cannot forget the smaller donors whose contributions to the funds of this University have often been more than proportionate to their means. I hope that the Science College and the School of Technology will make a wide appeal to all those interested in Muslim education and elicit from them a warm and generous response.

In conclusion, I thank you once again for your lavish hospitality, and proceed to lay the foundation-stone of your Science College. I wish and pray that the provision of this local habitation for your Science Department may increase the utility of the Muslim University and fulfil the great purpose of our national advancement for which it is intended.

The founder of this institution had both these objects in view when he set about the accomplishment of his mission. He created for the students an atmosphere congenial to the development of all their powers in harmonious combination, and succeeded in producing educated young men who were an asset to the community and useful members of society in every sphere of life. I hope that the University authorities will make it a point to preserve the distinctive feature of the type evolved at Aligarh ; that the true traditions of keen sportsmanship will be maintained ; for Aligarh without its sporting traditions will, I am afraid, cease to be what is has been ; and that the degrees conferred by the Muslim University will nevertheless always carry greater weight than so many commercial lables marking the output of an educational mill, and will be considered the hall-mark of sound scholarship and sterling character, typifying all that is good in the civilisations of the East and the West.

I hope I am voicing the feelings of the entire Muslim community when I take this opportunity of acknowledging the heavy debt of gratitude which is due to the Government of India and the Government of the United Provinces for their generous financial assistance and invaluable support to this institution from its inception to the present day. The Science college of which the foundation stone is going to be laid this afternoon, and the school of Technology which will come later, owe their genesis to a Government grant which will, of course, have to be supplemented by private donations. Our best thanks are also due to His Exalted Highness the Nizam for the munificent gifts with which he has consistently supported this great national movement. Nor can let this occasion pass without expressing our indebtedness

There are some other aspects of Science which are quite as important as its academic side. One of its great uses is its application to industry, for the study of which you have made provision in the shape of the School of Technology which you have included in your scheme. The establishment of that School will be a great boon to the community and will play an important part in its economic advancement. It will provide new careers for our young men who are now forced to overcrowd the legal profession, to seek admission into Government offices, or to end their days in unemployment and despair. When we are educating them on western lines, it is our duty to provide for them at least some of the openings which are available to young men in the industrialised countries of the west.

Another side of the study of Physical Science is the development of certain mental faculties and moral traits as a result of the methods followed in scientific investigation. It is of immense value in training the powers of observation, and clear thinking, which are essential to the right conduct of affairs in every-day life ; it helps the student in forming habits of accuracy and precision in the handling of date and the formulation of results. The scientist accepts no fact as proved, unless, it is tested by actual experience, and pursues the sequence of cause and effect to its logical conclusion, without making any concession to accepted beliefs, or popular opinion. He proceeds from the known to the unknown by logical reasoning, and is never satisfied till he gets at the truth. The acquirement of these habits is helpful not only in the training of the intellect but also in the formation of character which is one of the primary objects of University education.

removed by the reorganization of your Science Department as outlined in your address, and the generous provision that you wish to make for its equipment and accommodation. The ceremony which is going to be performed today will be a land mark in the history of Muslim education and will materially add to the usefulness of this seat of learning.

It is needless for me to emphasise the importance of Science both in daily life and as a subject of study in any well-balanced scheme of university teaching. It opens before us endless vistas of material progress. Its scope covers the whole panorama of our physical environment, and its object is to bring the unexplored regions of nature under the empire of man. More than these, it enables us to catch an occasional glimpse of the mysteries of existence, to contemplate the riddle of the universe, and to trace it to the inscrutable wisdom of the Infinite Mind that planned this marvellous scheme of creation,

We are the inheritors of a great civilisation which has left its impress on the intellectual life of the western world, and forms the groundwork of modern progress in almost all the branches of abstract and applied Sciences. Europe owes a heavy debt of gratitude to the Arab Scientists for their great researches in astronomy, optics, trigonometry, arithmatic, algebra, chemistry, medicine, botany and mineralogy. Their works, translated into Latin, were the standard authorities on those subjects, and formed part of university curriculla after the great Revival of learning, and Europe, in her time, is now transmitting to us those intellectual legacies with interest. It will be a proud day in the history of this institution when it turns out scholars able to uphold the traditions of those great pioneers of learning, and thereby extend the confines of human-knowledge,

entertained towards me by my co-religionists, and the sons of the University to which I am proud to belong. It has afforded me the pleasure of meeting old friends, and visiting the places endeared to me by the ties of memory. I treasure the associations of my school and college life as a priceless possession, and have a deep personal interest in the well-being and progress of the institution in which I have passed so many happy years of my boyhood and youth.

The history of educational progress among the Mussalmans of India is an interesting and instructive study. It is the record of a heroic struggle, waged by a great reformer against the forces of blind prejudice, and narrow-minded conservatism based on a misinterpretation of Islamic teaching. That reformer came at a time when India was in a state of transition; when the old social and political order was changing under the influence of new ideas and a new form of government. He saw that the struggle for existence was assuming a new aspect; that the Mussalmans must either equip themselves for the changed conditions, or, reconcile themselves to political and economic extinction. Fitness for survival required the adoption of a new system of education in keeping with the spirit of the age. The orthodox element in the community took it for a direct encroachment on the religion of Islam, but the great Sir Syed's powerful personality and indomitable will bore down all opposition; and the result was the foundation of the M.A.-O. College, which has since, been raised to the status of a self-governing university, focussing the educational activities of Muslim India.

This institution has till now, in common with most other educational centres in India, been devoting more attention to its Arts side than to the teaching of Science. This inequality of treatment will be now

Reply

by

His Highness the Ruler of Bhopal

MR. VICE-CHANCELLOR, MEMBERS OF THE COURT, LADIES AND GENTLEMEN.

I am sincerely thankful to you for your kindness in inviting me to lay the foundation stone of your proposed College of Science. I am deeply touched by your appreciative reference to my connection with this University and the warm tribute that you have paid to Her Highness, my revered mother, for her zealous devotion to the cause of Muslim education. There could be no greater evidence of her deep abiding interest than her departure from the established practice of Indian Rulers in the matter of my education. She sent me to the M.A.-O. College where there was no distinction of rank and position, in preference to an institution meant exclusively for the scions of ruling families; and it is due to this that I am here today, not as a stranger, but as one who has the privilege of knowing you all and your great traditions as an old boy who has taken the fullest part in the common life of the College both in the class room and on the sporting field. I may assure you that Her Highness will greatly appreciate the allusions you have made to her unremitting efforts in the advancement of education which she has always regarded as a part of her duty towards her country. She has set an ideal before me which it will be my earnest endeavour to attain, and I shall spare no pains to follow in her foot-steps, and do all I possibly can for the good of this institution to which I owe so much, and which has every claim on my sympathy and support.

I look upon this invitation as a great honour because it is an indication of the esteem and regard

Your Highness, we now beg to request that you may be pleased to lay the foundation stone of the institution which promises to strengthen the foundation of public wealth and prosperity in this country. We have no doubt that the fact that a son of Aligarh is today laying the foundation of its future and further advance must be the source of real happiness and joy to the soul of the great founder whom nothing pleased so much as the success and greatness of the alumni of his institution.

principle of the Aligarh movement that the authorities of the University desire to extend and expand the teaching of science in this institution. We look to our rulers, chiefs, leaders and the community itself for the help and support which we need in this great task. As the Indian Musalmans, compared with the other communities, have taken very little advantage of the educational facilities provided by the Government during the last one hundred and fifty years, it is only fair that some special help be given to Muslim educational institutions, particularly the one All India Muslim University, which is generally recognised by the community as the one central institution for the Musalmans of the whole country. While acknowledging in full the assistance this institution has received from the Imperial and the Provincial Government, we feel extremely grateful to His Exalted Highness the Nizam for the patronage extended to this national seat of learning from its very start. We owe deep debt of gratitude to the States of Rampur, Bahawalpur, Patiala, Gwalior, Khairpur and Alwar for their assistance and support, but our obligation to the illustrious lady—Your Highness' distinguished mother—is simply inexpressible. Her Highness is not only a great patron of the community and country but a true and gracious mother of the nation as a whole. She has not only conferred upon us numerous material benefits, but has given what is most precious and rare gift of all—her large and noble heart. Apart from respectful gratitude and sincere appreciation we can only offer most sincere, heartfelt and humble prayers for the long life, happiness and prosperity of Their Highnesses—the great mother and the noble son—the royal family of Bhopal, and for the peace and prosperity of the State.

lacs given by the Government we shall require about nine lacs more for the Science College and the School of Technology both of which are badly needed and have been in our contemplation for some years. We have realized over two lacs of rupees at the time of the Jubilee, but of this amount more than half was ear-marked, by donors for hostels which are also badly needed. There remains, therefore, about a lac of rupees which we propose to use for the school of technology as the majority of the donors appeared to be in favour of that scheme. Thus, we need six lacs of rupees more for the completion of the College of which Your Highness is about to lay the foundation stone, and which is to play a decisive part in strengthening the foundation of national wealth and prosperity of our community in this country.

Your Highness, we need not dwell at length upon the urgent need and extreme importance of the proposed Science College and the School of Technology. It is obvious that they require large sums of money for building, equipment and maintenance. It is needless to observe that, compared with other communities, we are poor and without adequate means for meeting our most essential requirements. And the present generation of the Indian Musalmans is confronted with a situation for which it is not altogether responsible, as past history and the unique circumstances in the country are largely responsible, for the position which our community occupies in India today. The Aligarh movement sought to teach the Indian Musalmans the lesson of self-help under British rule in India. Education and training, based on the latest and most successful experiments of mankind, were the means to be employed for the purpose. It is in pursuance of this fundamental

the scheme and plan of the proposed Science College the foundation stone of which is to be laid by Your Highness this afternoon.

Your Highness, Indians in general, and the Indian Musalmans in particular, are so backward in practical application of what is taught by science that it is time that both the teaching of higher science and training in technology should proceed side by side. Europe and other progressive portions of mankind have reached such an advanced stage in the study of the subject as well as in mechanical and technological pursuits that they now require most elaborate and expensive equipment, plant, and buildings and, obviously, it is most trying for us to compete with richer communities in this field. And, yet, the need of our community is the greatest, as its position in the scientific, industrial, and material advance of the country will be determined largely by the facilities which this central national institution will provide for popularising, among the Musalmans of India, the study of science and practical training in technology. Accordingly, the authorities of this University have to find some means for building the Science College along with necessary laboratories and workshops, and other buildings required for the School of Technology, as well as for increased recurring annual expenditure. According to our estimate the building and plant of the Science College will cost about nine lacs of rupees, and the School of Technology about five lacs. We approached the Imperial Government for help in February 1925 as well as the Community at the time of the Jubilee celebrations in December last year. We owe deep debt of gratitude to the Imperial Government for an increase of Rs. 25,000 a year in our recurring grant, and for a grant of five lacs for building purposes. Apart from the sum of five

him *naichari*, a compliment which he fully appreciated. Thorough study of natural sciences, therefore, formed an important part of the original scheme which had been prepared, as early as 1870, for the then proposed Mulim University, but, as the means then available, did not permit the execution of the scheme it remained merely on paper throughout the life time of the venerable founder.

Your Highness, as you may be aware His Royal Higness the then Prince of Wales, who now adorns the throne of the British Empire as His Imperial Majesty King George V, came to India in 1906, and honoured this institution with a visit in February of that year. His Highness the Aga Khan, to whom this institution owes so much and who now occupies the position of Pro-Chancellor of this University, proposed that the royal visit should be commemorated by the foundation of "The Prince of Wales Science School". This proposal met with complete success and the School was opened in 1908 with about 100 students and a budget of Rs. 14,000 a year. During the last eighteen years the school has grown steadily into our present science department, with a large staff, over 400 students, and a budget of over a lac a year. While there has been a continuous increase in the strenght of the staff, the number of students and the annual expenditure, want of adequate and suitable accommodation, both for lectures as well as for practical work, has been our constant difficulty and a serious handicap. We have neither lecture rooms, adequate in number and dimension, nor laboratories sufficiently large and suitable for our requirements. We have, therefore, been in urgent need of a building, constructed according to the latest requirements of higher teaching and practical work in the various branches of science, and large enough for the ever-growing number of our students. Hence

only by means of real culture and sound manly character that the "new life and light" can be infused among the Indian Musalmans which alone can enable them to play their part with dignity and success, in the struggle which is raging all round them in this country. How far this institution has served this purpose we leave it to the public to judge.

Your Highness, the founder of this institution attached very great importance to the study of natural sciences as discovered and developed in modern times. According to him, speculation and mystic philosophy, which kept the mind confined to a narrow circle of abstruse thought, were largely responsible for the general intellectual and moral decadence in India. He, therefore, attached the greatest importance to the study of nature, as nothing can bring man in direct touch with the reality as his efforts to investigate and discover the hidden laws of nature; nor can anything enable him to fulfil his destiny, as vicegerent of God on earth, so well as his success in bringing, under his control and yoke, new forces of nature. It is only by fresh investigations and discoveries in the realm of " The work of God " that " the word of God"

"الم تروا ان الله سخر لكم ما في السموات وما في الارض"

کیا تم (لوگوں) نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ جو کچھہ
آسمانوں میں ھے اور جو کچھہ زمین میں ھے سب کو اللہ
نے تمہارا مطیع فرمان کر رکھا ھے - (سورہ لقمن)

can have its interpretation and practical illustration. It is only by discovering unknown secrets of nature that man gets a peep into the limitless vastness of God's creation, and some sense of his own position in the Universe. Impressed with such ideas the late Sir Syed laid so much stress upon the study of nature and its laws that his critics were pleased to call

public and private life, for the success and practical realization of those noble lessons of service of humanity which it is the mission of this institution to inculcate, and of those principles of right and justice with which it is its chief aim to inspire its *alumni*.

Your Highness, we do not think it necessary to lay before you either the history of the Aligarh movement, or the aims and achievements of this institution, as you know them already. It is enough to observe that to stop the rapid decay of the Indian Musalmans, and to prepare and equip them as useful and true citizens of their Mother-land, were the main objects which were to be attained chiefly by means of modern, rational and soul-awakening education, as well as by an organized training designed to form manly Muslim character, to be given in a residential institution founded and conducted on the model of Oxford and Cambridge. The great founder devoted all his unique powers of the head, the heart and the body, to the task of convincing his co-religionists and countrymen that moral and intellectual attainments constituted real national wealth, and were the basis of all success in life—whether of individuals or of communities—and that the prosperity of any individual or nation was always in proportion to his or its moral and intellectual assets. To add to the moral, intellectual and vital forces of the country by awakening and developing the moral and intellectual instincts and gifts as well as the physical strength of the community, was the chief ideal before the great founder; and it was this contribution which this institution was meant to make to the general progress and prosperity of our Mother-land. We, therefore, never attached much value to mere degrees but have always kept in view the content and quality of the culture and character which the degree of a university should represent; for, it is

for which they will ever remain grateful to the wisdom and long vision of the illustrious lady—your revered mother—whom it is our privilege to claim as our Chancellor.

Your Highness, in selecting this institution for your education and training, Her Highness has not only secured the best interests of the people of Bhopal, but she has also set an example which other Chiefs would do well to follow if they desire to prepare their successors for the great responsibilities and special requirements which confront Indian Chiefs in modern India. For, what is happening in British India to-day must, sooner or later, have its reflex and repercussion in Indian States; and the rulers of the future, if they are to succeed in the most difficult task of government, must not only possess intellectual, moral and physical equipment of the highest order, but should also be trained to have a sense of fellow-feeling with all classes of the people. The day of "liberty, equality and fraternity" may yet be distant, but those who are to control and direct the destiny of large portions of mankind must possess not only clear heads and strong arms but also sympathetic and feeling hearts. That Your Highness has had ample opportunities for such a training, and for developing the true spirit of humanity within the walls of your Alma-mater, must be clear to those who are now entrusted to your charge. Those who may have regarded the decision of Her Highness to send you here as a bold experiment and a departure from the established practice, must appreciate the wisdom and the foresight which have now borne fruit in the shape of Your Highness' fine culture and noble life which are destined to confer untold benefits and blessings upon the people of Bhopal. We need hardly say that our best wishes and heartfelt prayers will always accompany Your Highness, both in your

To

His Hghiness

The Nawab Sikandar Saulat Iftikharul-mulk
Haji Mohammad Hamidullah Khan Sahib Bahadur,

B. A., C. S. I., C. V. O.,
Ruler of Bhopal.

MAY IT PLEASE YOUR HIGHNESS,

To-day, indeed, is a red-letter day in the annals of this institution which has had, among its visitors, a number of famous and distinguished personages in the past, but the welcome which we, the members of the Muslim University Court, beg to offer Your Highness on this occasion has a meaning and a significance of its own. We greet you not only as the Ruler of an important Indian State, nor merely as the scion of the illustrious house of the great Dost Mohammad Khan, but our hearts go out to meet and embrace you as the most distinguished son of this Alma-mater. We bless the day when Her Highness, your august mother, took the unusual step of sending you to this national institution which has always been open to all classes of the people, where the youths of the community live together on terms of friendship and equality free from all ideas of individual distinction on the ground of wealth or family position. As Your Highness knows, they all live together, dine together, attend lectures together, pray and play together. in short, they inhale the invigorating atmosphere of Muslim unity and fraternity throughout their career within the walls of this national seat of learning. That an educational institution, founded and conducted on national lines and not exclusively meant for princes, should become the nursery of the ruler of a great State is an event of which the authorities of this University have every reason to be proud, and

Amongst the distinguished guests present were Mr. S. R. Das, Mr. B. Mithra, Mr. Sultan Ahmad, Nawab of Chhatari, Sir Phillip Hartog, Mr. Mackenzie, Mr. Nrville, Sir Israr, Rajah Oudh Narain, Shaikh Motinuzzaman, Mr. J. H. Darvin, Mr. Fergusson, and Mr. Ahsanul Haq.

The Fifth Convocation of the Muslim University was held under the presidentship of Her Highness the Chancellor in a special pandal on November 15 at 2 p.m. The procession of the members of the Court and the University marched amidst cheers to the dais where the chair was taken by Her Highness the Chancellor. The Pro-Vice-Chancellor, Dr. Ziauddin Ahmad, in presenting his annual report, said that the number of students in the University and allied institutions, including the Girls' Intermediate College, was a little less than three thousand. The Vice-Chancellor then conferred the degrees on the successful caddidates and presented medals to the prize-winners. In his convocation address, Mr. Sultan Ahmad Vice-Chancellor, Patna University, emphasized the necessity of a harmonious development of human faculties and drew attention to the principal defects of the modern system of education. He allowed the use of the vernacular in the earlier stages of education. "We must not forget", he said, "the dignity of human labour in its various artistic manifestations. University education should not blind us to the glory of productive art." Her Highness the Chancellor then read out her address in choice and elegant Urdu, in which she laid great stress on the extension of female education as a first condition of our national progress. "The organisation of research work, the revival of Islamic learning and religious studies", she declared, "needed immediate attention." The gathering then proceeded to an At Home given by Her Highness the Chancellor on the University Tennis Lawns. A fascinating and valuable collection of manuscripts recently presented by Moulvi Subhanullah Saheb of Gorakhpore was displayed in the Sultan Jehan Manzil and drew the fervent thanks of Her Highness the Chancellor and all the visitors present. After a farewell dinner at the residence of the Pro-Vice-Chancellor Their Highnesses left Aligarh at 8 p. m.

attention to the study of science and its contribution to the future welfare of India. He said that he was proud to call himself a son of Aligarh, and admist deafening cheers announced a donation of two lacs of rupees to the proposed Science College. The Government of India have already given two lacs of rupees and have promised a further donation of three lacs next year. His Highness then laid the foundation stone and left for Muzammil Palace. At 3-45 p. m. Her Highness the Begum accompanied by Lady Venetia and the Vice-Chancellor motored to Nawab Nasrullah Khan Hostel. An address was presented by the Vice-Chancellor in a silver casket representing the new Hostel in miniature. In performing the opening ceremony Her Highness experssed the great regard she bore to the Muslim University. At. 4-30 p. m. an At Home, one behalf of the "Old Boys" of Aligarh was given by Nawab Obaidur Rahman Khan Shirwani M. L. C. as Joint Secretary of the Old Boys' Association, in honour of the illustrious "Old Boy" the Ruler of Bhopal. At 8 p. m. His Highness dined at night, some of the guests went to Rampur Hamidia Hall where a convocation debate had been arranged.

On the morning of the 15th instant His Highness played tennis and cricket with the students. Then after inspecting the University and the Hospital he drove to the Students Union and was welcomed by the President, Dr. Ziauddin Ahmad, and the Vice-President, Mr. Obaidur Rahman. "I am one of you," said His Highness in reply to the students' welcome. Meanwhile Her Highness visited the Girls Intermediate College which owes its institution and expansion to her generosity. At 11-30 His Highness breakfasted with the Home Member, the Nawab of Chhatari.

Visit to the Muslim University

OF

Their Highnesses the Nawab Sahib, and Begum Sahiba of Bhopal on 14th & 15th November, 1926.

There were brilliant scenes at Aligarh in connection with the Foundation Stone Ceremony of the Science College, the opening of the Nawab Nasrullah Khan Hostel, and the Fifth Convocation of the Muslim University. His Highness the Ruler of Bhopal, Her Highness the Begum, and staff, including Lady Venetia Barring, Sir Israr Hasan, Rajah Oudh Narain, Shaikh Motinuzzaman, Saeed Mohammad Khan, and Colonels Ahmad and Iqbal arrived by special train at 9-30 a. m. on the 14th instant and were received at the station by the Vice-Chancellor Sahibzada Aftab Ahmad Khan, Nawab Sir Mohammad Muzammilullah Khan, the Pro-Vice-Chancellor, Provost, Proctor, and members of the Court. Their Highnesses were the guests of Nawab Sir Mohammad Muzammilullah Khan and breakfasted with the Vice-Chancellor. About sixty guests were present, including Nawab Chhatari Home Member, U. P. Government. and Mr. Sultan Ahmad, Vice Chancellor Patna University. At 2 p. m., in a beautiful silver casket representing in miniature the Muslim University Mosque and the tombs of Sir Syed Ahmad Khan, founder of the Aligarh Muslim University and his co-workers, an address was presented to His Highness the Ruler of Bhopal by the Vice-Chancellor on behalf of the members of the University Court at a special pandal erected on the site of the future Science College. There was a large gathering of over three thousand people, including men from all parts of India. His Highness, in replying to the address emphasized on the necessity of drawing public

VISIT OF THEIR HIGHNESSES

THE

Nawab Sahib the Ruler of Bhopal

AND THE

Begum Sahiba the Chancellor

TO THE

MUSLIM UNIVERSITY, ALIGARH,

ON

14th & 15th November,

1926.